بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر عبدالفتاح عبداللہ برکۃ
ترجمہ وتلخیص مولوی مختار احمد☆

نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

نبوت کے سلسلۃ الذھب کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک پر اختتام پذیر ہونے کا عقیدہ اسلام کے بنیادی واساسی عقائد سے تعلق رکھتا ہے، جو ایمان وکفر کے مابین حدِ فاصل، اور حدِ امتیاز سمجھے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی نبوت پر ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے خاتمۃ النبوات تسلیم کیا جائے اور اس کے بعد جزوی یا کلی کسی صورت میں بھی نبوت کی تجدید متصور نہ مانی جائے۔ خصوصاً اس لئے کہ قرآن کریم میں آپ کے 'خاتم النبیین'' ہونے کی تصریح ہے اور آپ بنفس نفیس اپنے قول وعمل سے اس کا اظہار اور بارہا اس کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ فنی لحاظ سے اس باب کی احادیث اکثر محدثین کے ہاں حدِ تواتر (تواتر لفظی ومعنوی) کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ صدرِ اول سے عقیدۂ ختم نبوت پر امت کے ہر کہ ومہ کا اجماع چلا آرہا ہے، لہٰذا اس عقیدے کا اسلام کے مقتضیات واساسیات میں سے ہونا اظہر من الشمس ہے۔

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑے حصے میں عقیدۂ ختم نبوت کی وضاحت مختلف اسالیب ومتنوع انداز اختیار کر کے کی گئی ہے، کبھی محض اشارے پر اکتفا کیا گیا ہے تو کہیں تصریح، تنبیہ وسرزنش کے ذریعے اس عقیدے کو ذہنوں میں راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شارع اسلام کا اس عقیدے پر زور اور تاکید کی اس کیفیت کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے، سوائے اس کے کہ عقائد اسلامیہ کے قلعے میں کوئی شگاف رہے نہ کسی طالع آزما اور موقع پرست کو دعویٰ نبوت کی جرأت ہو، نہ کوئی کذاب و افترا پرداز سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں کو تلبیس کے ذریعے مسموم کر سکے اور نہ تحریف وتاویل اور دھوکے بازی کے تیشے سے اسلام کی بنیادوں کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہو سکے۔

علاوہ ازیں بنظر غائر دیکھا جائے تو ختم نبوت کا مفہوم ومعنی اسلام کی تعلیمات، افکار وہدایات

☆ جامعہ فاروقیہ۔ کراچی

کے ہر حصے و ہر جز میں پیوست نظر آتا ہے، جس کی بنا پر بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت کے بغیر تعلیماتِ اسلام کے کما حقہ فہم اور استفادے کی کوئی سعی بار آور نہیں ہو سکتی، ہر گام پر ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہے اور ہر مرحلے پر سوالات و اشکالات کا لامتناہی سلسلہ ہے۔

نصوصِ اسلامیہ (قرآن و حدیث) میں عقیدۂ ختم نبوت کے بار بار اعادے و تکرار کی غرض یہی ہے کہ امت مسلمہ ذہنی و فکری انتشار و انارکی سے محفوظ رہے اور یہ عقیدہ اس کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے، مرورِ زمانہ سے اس طرزِ عمل کی افادیت واضح ہوگئی ہے۔ قرنِ اول سے تا ایں دم بیسیوں دنیا پرستوں نے اس میدان کو جولان گاہ بنانا چاہا، تاہم مسلمان کتاب و سنت کی منور ہدایت سے بصیرت و بصارت اخذ کر کے ان سے نبرد آزما ہوئے اور انہیں دندان شکن جواب دیا، اور اپنے گرد اگرد غیر مرئی روحانی ہالہ بنا کر امتِ واحدہ تشکیل دی، صحیح اسلامی عقائد پر کاربند و عمل پیرا ہوئے، اور فاسد و اسلام سے متصادم عقائد کی حامل جماعت یا مسلک فکر کی حوصلہ شکنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

نبوت و رسالت کے معنی:

نبوت ایک ایسا جلیل القدر و عظیم الشان منصب ہے، جس کے انبیا کرام علیہم السلام ہی سزاوار ہیں، وہ معصوم ہیں اور قرآن میں ذکر کردہ کسی بھی طریقے سے وحی اخذ کرتے ہیں۔

> اور کسی بشر کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے مگر (تین طریقوں سے) یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے، وہ بڑا عالی شان ہے، بڑی حکمت والا ہے۔(۱)

یہ ایسا اختصاص ہے جو خالصتاً مشیتِ ایزدی کے تابع ہے، فرد کے شخصی یا ذاتی کمالات کو اس کے حصول میں کوئی دخل ہے نہ وہ سعی و اکتساب سے اس منصب کو پا سکتا ہے اور نہ ریاضت، چلہ و نفس کشی ہی اس خلعتِ فاخرہ کے حصول کی راہ میں کچھ سود مند ہے۔ امام شہرستانیؒ کہتے ہیں کہ حصولِ نبوت کا دار و مدار نبی کی ذات پر نہیں ہے اور نہ ہی نبوت ایسا مقام ہے جس تک کوئی انسان علمی عبقریت، کسبی صلاحیت یا استعدادِ نفس کی بدولت رسائی حاصل کر سکے، یا ان صفات کی بنا پر اس میں نبوت کا استحقاق پیدا ہو۔ بلکہ یہ مرتبہ و مقام اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے کسی کو عنایت کرتے ہیں، جیسا کہ نوح علیہ السلام کے اس قول سے ظاہر ہے:

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں اور میں تمام غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔(۲)

خدا کا چنیدہ فرد وحی کے ذریعے جو ہدایات واحکام یا اخلاقی ومعاشرتی تعلیم پاتا ہے۔کبھی تو ان احکام وتعلیمات کی بجا آوری کا صرف وہ خود مامور ہوتا ہے، یعنی تبلیغ واشاعت کا حکم نہیں ہوتا۔اس وقت یہ ذات نبی کہلاتی ہے اور اگر تبلیغ رسالت کی ذمہ داری بھی تفویض کی گئی ہو تو اس ذات پر نبی ورسول دونوں کا اطلاق ہوتا ہے، نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پانے کی وجہ سے اور رسول دعوت وتبلیغ کی بنا پر۔ اس تفصیل کے مطابق رسول کے لئے نبی ہونا ضروری وشرط ہے اور نبی کے لئے رسول ہونا ضروری نہیں۔

اس طرح نبی ورسول میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، رسول اخص مطلق ہے، یعنی ہر رسول نبی ہے، ہر نبی رسول نہیں۔ایک قول ومذہب یہ بھی ہے کہ نبی ورسول کے مابین نسبتِ ترادف ہے، یعنی دونوں کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے، ان میں کوئی فرق وامتیاز نہیں۔بنابریں ہر نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ایک نئی شریعت کا حامل ہوگا۔دریں صورت نبوت کی تشریعیہ وغیر تشریعیہ کی اقسام میں تقسیم درست نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ضعیف الاعتقاد یہ گمان نہ کرے کہ ختم نبوت، نبوت تشریعیہ کے لئے ہے اور نبوت غیر تشریعیہ کا دروازہ کھلا ہے، چنانچہ یہ کہنے کے بعد کہ نبوت ہمیشہ تشریعیہ یعنی شریعت وتکلیف کے ساتھ ہی ہوگی، اس گمان کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔اس صورت میں نبوت ورسالت کے مابین فرق وامتیاز کے لئے کہا جائے گا کہ جسے تبلیغ کا پابند نہیں بنایا گیا، وہ ''نبی غیر مرسل'' ہے اور جسے لوگوں کو دعوت وتبلیغ کا حکم دیا گیا ہے، وہ ''نبی مرسل'' ہوگا

لغوی اعتبار سے:

لغت واشتقاق کے اعتبار سے لفظ ''نبوت'' دو طرح استعمال کیا جاتا ہے: مہموز، غیر مہموز۔

مہموز ماخوذ ہے نبأ (خبر دینا) سے، دریں صورت لفظ ''نبی'' فاعل کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اور مفعول کے بھی۔معنی مفعول کے اعتبار سے نبی کی تعریف ہوگی: أنہ منبأ بالغیوب، یعنی اسے مغیبات اور پیش آمدہ امور سے آگاہ کیا گیا ہے۔فاعل کی صورت میں معنی ہوگا: أنہٗ منبئ بما یطلعہ اللہ تعالیٰ علیہ کہ وہ ان امور سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے، جس پر اسے اللہ تعالیٰ مطلع فرماتے ہیں۔ان دونوں صورتوں میں تسہیلاً ہمزہ کا ترک بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔

دوسرا استعمال غیر مہموز یعنی ہمزہ کے بغیر ہے۔ اس صورت میں لفظ نبی ''اَلنَّبُوَۃُ'' سے مشتق ہوگا۔ نَبُوۃٌ کے معنی ہیں: ٹیلا، سطح زمین سے اونچی جگہ، کہا جاتا ہے: نبا الشئی، اِذا ارتفع یعنی سطح زمین سے ابھر کر نمایاں ہو جائے۔ چنانچہ نبی کا معنی ہوگا وہ ذات جو بنی نوع آدم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ساتھ اختصاص کی بنا پر فوقیت رکھتی ہو۔

غیر مہموز میں دوسری لغت یہ ہے کہ ''النبی'' بمعنی راستے سے ماخوذ ہو، اس صورت میں لغوی و شرعی معنی میں مناسبت یہ ہوگی کہ نبی امتیوں کو وہ راہ دکھاتا ہے، جس کی منزل معرفتِ ربانی اور انوارِ قدسی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبوت شرعی لغت کے تمام معانی و مطالب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس طرح کہ نبی بذریعۂ وحی اخبارِ غیب اخذ کرتا ہے اور عوام الناس تک ان خبروں کی ترسیل کا پابند ہوتا ہے۔ مصدر و منبع رسالت اور دعوت و تبلیغ کے عمل سے وہ بارگاہ ایزدی میں تقرب اور بلند مقام پاتا ہے، لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور ان کے قلوب کو فیضانِ محبت اور انوارِ معرفت سے منور کرتا ہے۔

بنی نوع آدم میں سے جو فرد اس مرتبۂ بلند پر فائز ہوتا ہے، لوگ اس کی عزت و توقیر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے اور وہ ان کی پر خلوص محبت، غیر مشروط اطاعت اور فروتنی سے بہرہ یاب ہوتا ہے، وہ لوگوں کا ان دیکھا حاکم ہوتا ہے، ان کے جذبات اور دل و دماغ کو مادی رنگینوں، سحر انگیز طلسم کدوں کے شکنجے سے نکال کر روحانیت کی دلفریب و دلآویز وادیوں میں لے جاتا ہے۔ یہی وہ امور ہیں جن کی بنا پر بہت سے جھوٹے مدعی نبوت اس پر خار وادی میں نوردی پر کمربستہ ہوئے، ان کا مطمح نظر عوام پر حکومت، ان کی محبت، فریفتگی اور غیر مشروط اطاعت کا حصول تھا۔ مگر۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ انہیں اس عمل میں منہ کی کھانی پڑی اور دنیا و آخرت کی رسوائی و ذلت ان کا مقدر ٹھہری۔

کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کے بعد یہ سلسلہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر منتہی ہوا اور قرآن میں اس امر کی تصریح کر دی گئی۔ اس طرزِ عمل سے شعبدہ بازوں، نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی امیدوں پر اوس پڑ گئی، اور ان کے مقاصد پورے نہ ہو سکے۔

''ختم'' کے معنی:

لغتِ عرب میں ''ختم'' کے معنی کسی چیز کا انتہا تک پہنچنا اور اس پر مہر اس طرح ثبت کرنا (سیل کرنا) ہے کہ اس میں کمی بیشی کا موہوم امکان بھی نہ رہے، اور اس کے منہ کو مضبوطی سے اس طرح ڈھانپ

دینا ہے کہ اس میں کوئی چیز داخل ہو سکے نہ نکل سکے۔ ابن فارس معجم مقاییس اللغہ میں ''ختم'' کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ خا، تا، میم اصل واحد اور اس کا معنی کسی شی کا انتہا تک پہنچنا ہے۔ ''ختم'' بمعنی مہر لگانا، سیل کرنا بھی اسی باب سے ہے، کیونکہ مہر اسی چیز پر لگائی جاتی ہے جو پوری ہو جائے اور انتہا تک پہنچ جائے۔ خاتم اسی سے مشتق و ماخوذ ہے، اس لئے کہ اسی کے ذریعے مہر لگائی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاتم النبیین'' ہونا بایں معنی ہے کہ آپ انبیا کرام کے آخر میں مبعوث ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ختامہ مسک، (۳) یعنی: شراب جنت پینے کے بعد (آخر میں) جنتی مشک کی خوشبو محسوس کریں گے۔ قاموس المحیط میں ہے: خَتَمَهُ يَخْتِمُهُ، خَتْماً و خِتَاماً طَبَعَهُ یعنی مہر لگانا، ختم علی قلبه، جعله لایفهم شیئاً و لا یخرج منه شئ. قلب پر ایسی بے حسی طاری کر دینا کہ فہم و شعور سے یکسر عاری ہو جائے۔ ختم الشئ بلغ آخرہٗ، کسی چیز کا انتہا تک پہنچنا۔ ختم من کل شیئ کہتے ہیں آخر کو، خاتمہ کی طرح، خاتم اور قوم کے آخری فرد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ابو اسحاق کہتے ہیں کہ لغت عرب میں ''خَتَمَ'' اور ''طَبَعَ'' ہم معنی ہیں، یعنی کسی چیز کو ایسا ڈھانپنا اور اس کا منہ اس طرح بند کرنا کہ اس میں کچھ نہ ڈالا جا سکے۔ قرآن میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔ (۴)

اور معجم الوسیط میں ہے کہ ختم النحل ختما و ختاماً : ملأ خلیته عسلاً شہد کی مکھی نے اپنا چھتا شہد سے بھر دیا۔ ختم علی الشراب و الطعام و غیر هما : غطیٰ فوهة وعائه بطین او شمع او غیرهما حتیٰ لایدخله شیئ ولا یخرج منه شیء فهو مختوم کھانے پینے کے برتن کا منہ مٹی یا موم وغیرہ سے بند کرنا کہ اس سے کچھ نہ نکل سکے۔ قرآن کریم میں ہے:

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ (۵)

اہل جنت کو مہر بند شراب پلائی جائے گی۔

ختم علی فمه منعه من الکلام، یعنی کلام پر قدغن لگانا، بات کرنے سے روکنا۔ ختم الشیء اتمه، وبلغ اٰخره، یعنی کسی چیز کو پورا کرنا اور اس کی انتہا تک پہنچنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے قرآن پاک میں ''خاتم'' کو ''النبیین'' کی طرف اضافت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ آیت مبارکہ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (۲)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

''خاتم النبیین'' کا بدیہی معنی یہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ لحاظ بعثت آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اسی معنی کو قرآن کے مخاطب اول عرب سمجھے، اور یہی معنی آج تک متداول و مشہور ہے اور اس میں دو رائے نہیں۔

تفسیر جلالین میں ہے کہ ''خاتم النبیین'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا وصف ہے، جس میں ادنیٰ شائبے کی گنجائش بھی نہیں، اس کا پہلا و آخری معنی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ لہذا آپ کے اس وصف سے کمال نبوت اور افضلیت کے معنی مراد لینا ثانوی و ضمنی اور پہلے معنی کے تابع ہوگا، چنانچہ خاتم النبیین سے ثانوی و تابع معنی مراد لے کر اصل و متبوع اور لازمی معنی (یعنی آپ آخری نبی ہیں۔) ترک کر دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ قاعدہ مشہور ہے کہ ''لازم اپنے ملزوم سے جدا نہیں ہو سکتا''۔

اس اندیشے کے امکانات کو ختم کرنے کی غرض سے کہ جھوٹے مدعیان نبوت خاتم النبیین کا دوسرا (ثانوی) معنی بیان کر کے سادہ لوح عوام کے ذہنوں کو پہلے اور اساسی معنی سے پھیر نہ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا معنی صراحتاً بار بار، مختلف اسلوب اختیار کر کے ذکر کیا، کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رکھی کہ آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد نبوت کا دعویدار دجال، گمراہ، اور افترا پرداز ہے، اور دوسرے ثانوی معنی کا کبھی اشارتاً، و کنایتاً بھی اظہار نہیں فرمایا، مبادا کہ ضعیف الایمان دوسرے معنی پر ہی تکیہ نہ کر بیٹھیں اور یوں وہ مضبوط بند شر پسندوں کا ریلا سہار نہ سکے اور مذہب اسلام ان کا تختۂ مشق بن جائے۔

جن احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین ہونے کی تصریح فرمائی، ان میں ثوبانؓ کی روایت ہے، فرماتے ہیں:

اللہ جل شانہ نے زمین سمیٹ کر مجھے دکھائی، چنانچہ میں نے مشرق و مغرب کا مشاہدہ کیا، یہاں تک کہ فرمایا: میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہونگے، جو برخود غلط نبوت کا دعویٰ کریں گے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (۷)

حدیث شفاعت میں ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(اھوالِ قیامت سے گھبرا کر) میرے پاس آئیں گے (آہ وزاری کرتے ہوئے) کہیں گے، اے محمد! آپ اللہ جل شانہ کے رسول اور آخری نبی ہیں، اللہ تعالیٰ آپکے سابقہ وگزشتہ گناہوں سے درگزر فرما چکا ہے، اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے۔ (۸)

انقطاع نبوت کے بارے میں آپ ﷺ تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ابو ہریرہؓ راوی ہیں:

بنی اسرائیل پر انبیا اکرام حکومت فرمایا کرتے تھے، جب کبھی کوئی نبی دنیا سے رحلت فرمالیتا فوراً دوسرے نبی کی بعثت عمل میں آجاتی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں (تاہم) خلفا، ہونگے جو بڑی تعداد میں ہونگے۔ (۹)

سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا:

آپ میرے لئے وہی حیثیت رکھتے ہیں جو ھارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لئے رکھتے ہیں (یعنی ان کی طرح آپ میرے دست وبازو ہیں) تاہم فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، باب نبوت بند ہو چکا ہے۔ (۱۰)

سعدؓ ہی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑا اور جنگ میں لے کر نہ گئے، تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جارہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ نہیں چاہتے کہ تم میرے لئے اسی طرح ہو جس طرح ہارون موسیٰ کے لئے تھے، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (۱۱)

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رسالت ونبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، لہذا میرے بعد کوئی رسول مبعوث ہوگا نہ نبی۔ راوی کہتے ہیں: حاضرین پر یہ امر نہایت گراں گزرا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن خوشخبریاں دینے والی رہیں گی۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! خوشخبریاں دینے والی کیا ہیں؟ فرمایا: مسلمان کے خواب، یہ خواب نبوت کے اجزا میں سے ایک جز ہیں۔ (۱۲)

ختم نبوت کی ذہنوں میں راسخ کرنے اور آئندہ کسی بھی زمانے اور پرفتن دور میں مسلمانوں کو

فکری وعقلی کج روی سے محفوظ ومصون رکھنے کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دے کر توضیح و تشریح کا اسلوب بھی اختیار فرمایا۔ چنانچہ ابوھریرہؓ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری اور انبیائے سابقین کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص گھر بنائے۔ زیبائش وآرائش کے تمام اسباب بہم پہنچائے، لیکن ایک جانب ایک اینٹ نہ رکھے، لوگ اس گھر کو حیرت واستعجاب سے دیکھیں اور کہیں یہ ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی (کہ حسن پورا ہو جاتا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں (یعنی میں اس سلسلہ کی انتہا اور اس حسن کا کمال ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں) (۱۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ضمن میں تنبیہی وتحذیری اسلوب میں بھی روایات منقول ہیں۔ ابوھریرہؓ کی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تک تقریباً تیس دجال، کذاب ظاہر نہ ہوں، قیامت نہیں آئے گی، ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو اللہ کا رسول گمان کرے گا۔ (۱۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر تاکیداً اس امت کے آخری امت، اور مسجد نبوی کے آخری مسجد ہونے کے بارے میں فرما کر ضمناً اس امر کی وضاحت بھی فرمادی کہ آپ کی نبوت بھی آخری ہی ہے، چنانچہ ابوامامہ باھلی اپنے خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دجال سے ڈرانے کے بعد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

اور میں آخری نبی اور تم آخری امت ہو۔ (۱۵)

ابوسلمہ بن عبدالرحمان اور ابوعبداللہ اغر روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابراہیم نے کہا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو روایت کرتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد آخری مسجد۔ (۱۶)

پس معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کے درمیان کوئی نبی حائل ہے نہ کسی امت کے ظہور کا امکان ہے اور نہ کوئی مسجد جس کی تعمیر نبی کے ہاتھوں عمل میں آئی ہو نہ کوئی دین الٰہی، جس سے دین اسلام منسوخ ہو۔ اس مفہوم کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جسے مغیرہ بن شعبہؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق کی خاطر برسر پیکار رہے گی، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔(۱۷)

حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے ایک بار اپنے خطبے میں فرمایا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے اللہ تعالیٰ جس سے اچھائی و بہتری کا معاملہ فرمانا چاہیں، اسے تفقہ فی الدین کی دولت سے نوازتے ہیں، میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، عطا کرنے والا اللہ ہے، یہ امت ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے۔(۱۸)

ختم نبوت کی آیت کی تفسیر کے ذیل میں حافظ ابن کثیرؒ سابقہ اور اس مضمون کی دیگر احادیث کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اس (ختم نبوت کے) باب میں کثرت سے احادیث مروی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اللہ تعالیٰ کی عظیم و گرانمایہ نعمت ہے، ازاں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر سلسلۂ نبوت ختم کر کے اور دین اسلام کی تکمیل فرما کر امت مرحومہ پر احسان کا حق ادا فرمادیا۔ لہٰذا قرآن و احادیث میں کثرت سے اس مضمون کی وضاحت فرمادی گئی ہے کہ آپ نبی آخر الزماں ہیں، آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا، مکار ہے، افتراء پرداز، ضال و مضل ہے، اگرچہ اس سے کسی خارقِ عادت امر کا ظہور ہو یا شعبدہ بازی سے ذہنوں کو مسحور کر کے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے۔(۱۹)

ختم نبوت اور نبوت کے غیر کسبی ہونے میں مناسبت:

سطورِ بالا میں گذر چکا ہے کہ نبوت کی خلعت فاخرہ سے وہی سرفراز ہوتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں میں سے منتخب فرماتے ہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت و نعمت ہے۔ نبی کی ذاتی حیثیت، شخصی و جاہت یا سعی و ریاض محرک بن سکتے ہیں نہ بشری نکتہ نگاہ و عقلی تگ و دو اس عطا کی کوئی توجیہ پیش کر سکتے ہیں۔ اس قاعدے سے کوئی نبی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مستثنیٰ نہیں، تاہم کسب و سعی، کمال فطرت، اعتدال مزاج یا اس جیسے دیگر اعلیٰ انسانی اوصاف، نبوت کا محرک و سبب بنتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں ان اوصاف و کمالات کے بدرجۂ اتم موجود ہونے کی بنا پر ممکن تھا کہ آپ کو یہ عظیم الشان منصب عطا کیا جاتا، بچپن سے لے کر جوانی اور پھر مہبط وحی بننے تک آپ کی سیرت کے مطالعے سے یہ امر واشگاف ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشریت کے اعلیٰ مقام پر متمکن تھے، اخلاق و سلوک کی پیچ در پیچ گھاٹیاں اور پر

خار وادیاں عبور کر چکے تھے۔ علم وحکمت، حسن تصرف اور کاموں کی انجام دہی میں فائق اور اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ علاوہ ازیں ذوق عبادت میں بھی آپ کو امتیاز خاص حاصل تھا۔ جہالت وسرکشی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں نورِ معرفت کا چراغ فروزاں تھا۔ کئی کئی دن غارِ حرا کے گوشے میں لوگوں سے الگ تھلگ مناجات ودعا سے کام ودہن کی لذت کا سماں کرتے تھے۔ اگر کوئی کہے کہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبیعت کی پاکیزگی، صفائی بطن، اعتدال مزاج، تحمل وبردباری، قوت برداشت اور اعلیٰ ذہنی وفکری صلاحیتوں کی بدولت نبوت کے سزاوار ہوئے، اور یہی صفات وکمالات آپ کو مقام نبوت تک پہنچانے کا سبب ومحرک بنیں تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہ ہوتی اگر فی الواقع مقام نبوت کے حصول کے لئے یہ کمالات درکار اوران صفات سے متصف ہونا شرط ہوتا۔ جب کہ یہ مقام ومنصب خالصتاً اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے۔ علاوہ ازیں حقیقتِ حال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منصب کے منتظر تھے نہ اس کی توقع رکھتے تھے۔ چہ جائیکہ اس کی طلب میں دستِ سوال دراز کرتے، بلکہ ایک روز اچانک ہی آپ پر وحی کا نزول ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس خلافِ توقع امر سے اتنی دہشت طاری ہوئی کہ بے اختیار اپنی غم خوار ومونس ،ستودہ صفات زوجہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمانے لگے: ''مجھے اندیشہ ہے کہ میں مرنہ جاؤں''۔ آپ کی زوجہ محترمہ نے اطمینان دلایا اور کہا آپ جیسی اعلیٰ کریمانہ اخلاق سے متصف شخصیت ایسی مشکل سے دوچار نہیں ہوسکتی، جس سے جان کا خطرہ لاحق ہو، ازاں بعد وحی کا نزول مسلسل ہونے لگا، اور کبھی تعطل کی کیفیت بھی طاری ہوئی، اس پس منظر میں قرآن پاک میں ارشاد ہے:

اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی، مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا۔ (۲۰)

یہ قرآن دوقریوں (مکہ وطائف) کی دوعظیم شخصیتوں پر کیوں نازل نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ (لوگ) آپ کے رب کی رحمت (انعام وفضل) تقسیم کرتے ہیں؟

بعینہ یہی اجتبا واصطفا، ہبہ وعطا کا معاملہ انبیا سابقین کے ساتھ روا رکھا گیا ہے، جیسا کہ یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی بابت آل عمران میں ذکر ہے، اور اسحاق، یعقوب اور ہارون علیہم السلام کے بارے میں سورۂ مریم اور موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سورۂ طٰہٰ میں قرآن نے بیان کیا ہے۔

درحقیقت نبوت ایسے حساس ونازک مقام کے لئے یہی طرزِ عمل مناسب تھا، وگرنہ کتنے ہی جاہ ومال کے دلدادہ فطری صلاحیتوں کو عام پیمانے سے ترقی دے کر مقام نبوت کے دعوے دار ہوجاتے، اور

عجیب وغریب ذہنی پراگندگی، افراتفری اور انارکی کی فضا پیدا ہوجاتی، راہ ہدایت پر چلنا دشوار سے دشوار تر ہوجاتا، نبی وغیر نبی کی پہچان مشکل ہوجاتی، اس صورتحال کے سدباب کے لئے امت کی بہترین صلاحیتیں اور اعلیٰ دماغ شبانہ روز اسی کدو کاوش میں مصروفِ عمل رہتے کہ کس طرح جھوٹے مدعیان نبوت کو نیچا دکھائیں، اور ان کے طلسم وشعبدہ بازی کے سحر سے افراد امت کو نجات دلائیں۔ اس قسم کی صورتحال عیسائیت کو پیش آئی۔ EDWIN KNOX MITCHELL ہارٹ فورڈ (HARTFORD) کے شعبۂ دینیات میں یونانی، رومی اور مشرقی کلیسا کی تاریخ کے پروفیسر مسیحیت کو پیش آنے والے اس ابتلا کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو ماورائی حکمت (SUPERIOR WISDOM) کے مدعی ہوتے تھے، بہت جلد بے اعتمادی پیدا کردی اور کلیساؤں اور ان کے رہنماؤں کو اس خطرہ کا احساس دلایا جو ان کی فلاح و بہبود کے گرد منڈلا رہا تھا، تاہم ابھی کوئی ایسا تادیبی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا، جو جانا پہچانا بھی ہوتا، اور ان مکاروں کا زور بھی ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جنھیں یہ دعویٰ تھا کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے، اور ان پر بذریعہ وحی اپنے راز ہائے سربستہ منکشف کرتا ہے، ابھی تک کوئی ایسا معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا، جس کے ذریعے ان مدعیانِ روحانیت کی صداقت کا امتحان کیا جاسکتا، ایسے معیار کا دریافت ہونا قطعاً ضروری تھا، اور اگر یہ دریافت نہ بھی ہوتا تو بھی کلیسا اس کی تخلیق کرکے رہتا تاکہ اس کے ذریعے مذہب کے بنیادی اصولوں میں انتشار اور زندگی کو الحاد کے راستہ پر جاپڑنے سے بچاسکے، اور اس طرح خود اپنی حفاظت کا انتظام کرسکے۔''(۲۱)

اگر یہ منصب انسانی دسترس میں ہوتا یا قیاس وعقل کی کسوٹی پر اس کی پرکھ ممکن ہوتی تو اسی پریشانی وافراتفری کا سامنا ہوتا، جس میں مسیحیت مبتلا ہوئی اور اپنے اصلی خدوخال کھو بیٹھی۔

عقیدۂ ختم نبوت کی حکمت ہی سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مقام نبوت کی تفویض عقلی وبشری معیار تفویض وحوالگی کے مطابق عمل میں نہیں آتی، بلکہ یہ محض ذاتِ باری کا کرم واحسان ہے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مبعوث فرمایا، اور قرآن پاک میں اس امر کی تصریح فرماکر قیامت تک

باب نبوت بند ہو جانے کا اعلان فرما دیا۔

ایک شبہ کا ازالہ:

کسی شخص کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے، لا انتہا قدرت کا یکتا مالک ہے اور عقیدۂ ختم نبوت، بالفاظ دیگر انسداد بابِ نبوت اس کے منافی بلکہ متصادم ہے، کیونکہ اس امر سے یہ لازم آتا ہے کہ خاکم بدہن خدا کی قدرت محدود ہے، اس لئے نبی مبعوث کرنے سے عاجز ہے۔

یہ گمان وسوچ شیطانی وسوسہ ہے، اس کی بابت عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ مختار کل ہے اور ختم نبوت سے ان کا عجز لازم نہیں آتا، عجز و درماندگی تو اس وقت لازم آتی ہے جب نہ چاہنے کے باوجود اس سے کوئی کام کروادیا جائے اور اس پر جبر کیا جائے کہ فلاں پیغمبر اور فلاں کو دوست بنائے اور وہ سر تسلیم خم کردے۔ حالانکہ یہ امر بدیہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صوابدید پر کسی کو نبی بناتے اور کسی کو دوستی کے مقام پر فائز کرتے ہیں، اور اسی ذات نے قرآن کے ذریعے ہمیں بتایا ہے کہ ختم نبوت کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چنا گیا ہے۔ اس عمل سے نہ اس کی قدرت میں کسی قسم کا فتور آیا ہے نہ اس کا ارادہ متاثر ہوا ہے۔ یہ تفصیلی توضیح اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت و ارادہ میں الحاد اور افراط وتفریط کا شکار ہونے والوں کے لئے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

نبوت کے لئے اہلیت کی شرط:

جب یہ واضح ہو گیا کہ اکتساب نبوت عقلاً ممکن ہے نہ واقع میں اس کی کوئی مثال ہے، چنانچہ عقل کے لئے باعثِ تعجب اور جائے حیرت ہوگی اگر ہر فرد بشر اپنے لئے ہبۂ الٰہیہ کا حصول اور اصطفائے ربانی کی امید رکھے اور ہر انسان یہ توقع کرے کہ وہ یہ اعلیٰ وارفع مقام پا سکتا ہے۔

جب یہ ضعیف الخلقت انسان جو فی نفسہ اور فی الواقع کم ہمت و زود رنج واقع ہوا ہے، خود پسندی اور حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی رو میں بزعمِ خویش تصور کرسکتا ہے کہ وہ اپنے زیادہ متحمل مزاج، بردبار اور اعلیٰ انسانی صفات کے حامل افراد کو پیغام ربانی پہنچانے اور انہیں مطمئن کرنے کی سکت رکھتا ہے اور اس گراں بار ذمہ داری سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوسکتا ہے، تو یہ کسی قدر حیران کن وتعجب خیز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ یہ مقام ایسے شخص کو تفویض فرمائیں جو اس کی لیاقت رکھتا ہو نہ وہ اس مقام کے مناسب اہلیت کا حامل ہو۔ حاشا وکلا! اللہ تعالیٰ کی عظیم تر ذات سے ایسے فعل کا صدور محال ہے۔ چنانچہ نبی وہ ہوگا جو تمام انسانوں پر خداداد فطری صلاحیتوں کی بدولت فوقیت رکھتا ہو اور اعلیٰ انسانی صفات سے متصف ہو۔

بایں ہمہ تائید ایزدی اور نگاہِ ربانی سے بھی محفوظ ہو۔ ارشاد ہے:

اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دے دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے، اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام (وحی کے ذریعے سے) بھیجتا ہے۔ (۲۲)

پیغمبر کی انہی اعلیٰ بشری صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے امام شہرستانی فرماتے ہیں کہ قبل از بعث ہی نبی اخلاق وسلوک کے تمام مراحل طے کر لیتا ہے، کمال فطرت اور اعتدال مزاج میں فوقیت رکھتا ہے اور اقوال وافعال میں سچائی وامانت کی خصلت اسے عام انسانوں میں منفرد وممتاز رکھتی ہے۔ وہ قومی واجتماعی امراض سے دور اور ایک الگ وجداگانہ راہ کا راہی ہوتا ہے، اس کی ذات سے رحمت وشفقت کی شعاعیں پھوٹتی محسوس ہوتی ہیں۔ اس کا پیغام، اسکی تعلیمات بنی نوع انسان کے لئے فلاح وترقی کا زینہ ہوتی ہیں۔

انبیا کرام انسانوں کے لئے خدا کی محبت، اسکی معرفت کا ذریعہ، اس کی رحمت کا باعث اور اس کی بیش بہا نعمتوں کا سبب ہوتے ہیں۔ وہ ان برگزیدہ افراد میں سے ہوتے ہیں، جنہیں اللہ جل شانہ اپنے تقرب خاص سے نوازتا ہے اور انہیں منتخب فرماتا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو تمام جہانوں پر۔ (۲۳)

نبی جس طرح قول وعمل میں فائق ہوتا ہے، حسن خلقت، حسن فطرت، مکارم اخلاق اور رنگ و نسل میں بھی برتر حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ جسے اپنی نگاہ التفات سے نوازتے ہیں، سنت جاریہ کے مطابق اس کی تہذیب وتثقیف کا پورا اہتمام فرماتے ہیں، روحانیت میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے، جھوٹے امور اور رذائل سے دور ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ جب یہ ذات آغوشِ الٰہی میں بتدریج تربیت کے مراحل طے کر کے نبوت سے مناسبت، اور اس مقام تک رسائی کی اہل ہو جاتی ہے، لوح محفوظ میں اس نعمت کے حصول کا وقت موعود آ پہنچتا ہے تو نبوت کی خلعت عطا کر دی جاتی ہے دریں وقت دعویٰ نبوت چونکانے کا باعث ہوتا ہے نہ تو ہم پرست ذہنوں میں شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں، بلکہ اس ذات کی علو ہمت، اعلیٰ روحانی کمالات، فراخ دلی، سخاوت، حسن گفتار وکردار اور ذکاوتِ حس کو دیکھتے ہوئے ابنائے قوم سے انعام واکرام کا مستحق سمجھتے ہیں تاہم یہ تمام امور تعلیم وتربیتِ نفس کے وہ مراحل ہیں جن

سے اس منصب کے حاملین کو گذارا جاتا ہے اور قدرت الٰہیہ اس عمل کے اسباب مہیا کرتی ہے۔ ازاں بعد کہا جاتا ہے، اللہ جل شانہ نے اس ذات کو اپنے لئے چنا اور مقربین کی صف میں شامل کرلیا۔

یہ صورتحال اور اہتمام و رعایت کی یہ کیفیت ہر نبی کی ذات گرامی میں دکھائی دیتی ہے، جسے قرآن کریم نے بالتفصیل ذکر کیا ہے، خصوصاً حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام میں قدرے تفصیل سے اس کا ذکر ملتا ہے، اسی طرح حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام بھی اس خصوصیت کے حامل ہیں۔ اگر دوسرے پہلو سے جائزہ لیں تو بعض انبیا کرام کی تربیت میں اہتمام و رعایت کی یہ کیفیت انکی ولادت سے قبل نظر آتی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے احوال میں غور کرنے سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے۔ سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا بھی اس اہتمام و عنایت سے حظ اٹھانے کا ذکر ملتا ہے، جس کے باعث زبان رسالت بے اختیار پکار اٹھتی ہے:

> اور مجھ پر سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں گا اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ (۲۴)

سورۂ آل عمران کی درج ذیل آیتوں سے معلوم ہوتا ہے، حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ آپ علیہ السلام سے قبل یہ معاملہ روا رکھا گیا تھا۔

> جب کہ عمران کی بیوی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچے کی، جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائیگا سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے، بے شک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔ پھر جب لڑکی جنی، کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار! میں نے تو اس حمل سے لڑکی جنی، حالانکہ خدا تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں اس کو جو انہوں نے جنی، اور وہ لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں۔ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا، اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو آپ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔ پس ان کو ان کے رب نے بوجہ احسن قبول فرمالیا اور عمدہ طور پر ان کی نشو و نما فرمائی اور زکریا کو ان کا سرپرست بنایا۔ (۲۵)

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی عنایت ربانی اور تربیت الٰہی کے انوار سے بہرہ ور ہوئے واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ جل شانہ نے اولادِ اسماعیل سے قبیلۂ کنانہ کو چنا، پھر کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا، ازاں قریش سے بنی ہاشم پر نظرِ انتخاب ٹھہری اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔ (۲۰)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بارہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس احسان و نعمت، تائید و اہتمام کے حوالے دیئے اور جابجا آیتیں ذکر کیں۔ ان میں ایک جھلک سورۂ ضحیٰ، سورۂ شرح، سورۂ مزمل، سورۂ مدثر اور دیگر سورتوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے، قدرت الٰہیہ کو آپ کی ذات میں کس قدر اہتمام ملحوظ تھا، اس سے بڑھ کر اہتمام و رورعایت ممکن نہیں اور اللہ کی رحمت و شفقت انداز بدل بدل کر آپ پر سایۂ عاطفت کئے ہوئے تھی۔

ختم نبوت و کمالِ شریعت:

بنی آدم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آفرینش کے بعد انہیں مہمل و آزاد چھوڑا گیا نہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے ان کی عقلوں کی رہنمائی کو کافی سمجھا گیا۔

ابوالبشر آدم علیہ اسلام کی تخلیق کا عمل اللہ جل شانہ کے ہاتھوں انجام پایا، ان میں روح پھونکی گئی اور انہیں مخصوص اسماء کی تعلیم دی گئی، ازاں بعد دنیا میں خلافت و نیابت انہی کا تاج پہنا کر انہیں زمین پر اتارا گیا، قرآن پاک کی آیت میں تخلیق آدم کا یہی سبب ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

میں ضرور بناؤں گا زمین میں ایک نائب (سورۂ بقرہ) (۲۷)

خلافت و نیابت کا استحقام اسی وقت پیدا ہوسکتا تھا، اور اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا جبھی ممکن تھا کہ ان کی ہدایت و تعلیم و تربیت کا مکمل بندوبست کیا جاتا، بلکہ اس کے اسباب بھی مہیا کیئے جاتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کے بارے میں امیدوں کے در وا کئے اور حکم مرحمت فرمایا کہ جب ان کی طرف ہدایت و احکام آئیں تو اسے قبول اور ان کی بجاآوری میں سرِ تسلیم خم کریں اور ان کی اتباع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔

ہم نے حکم فرمایا نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب، پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ تو کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہونگے۔ اور جو لوگ

کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی، یہ لوگ ہوں گے دوزخ
والے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(۲۸)

بعد ازاں انبیاء ورسل کو بنی نوع انسان کی جنس سے چننا اور منتخب کرنا اور پھر انہیں سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمانا، اللہ جل شانہ کی رحمت، شفقت وکرم نوازی کا ایک دلآویز انداز ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان ہدایت یافتہ اور برگزیدہ افراد سے بنی آدم وحشت، نفرت اور بے گانگی کا شکار نہ ہوں، بلکہ ان سے یک گونہ انسیت اور محبت کا احساس ان کے دلوں میں چٹکی لے اور انکے بیان کردہ احکام کی بجا آوری سہل ہو۔

عوام الناس کے معیار زندگی میں روز افزوں ترقی، ماحول ومعاشرے کی تشکیل واختلاف، انسانی طبائع اور انداز فکر ونظر میں تنوع کی بنا پر مختلف وجداگانہ مکاتب فکر کا منصۂ شہود پر ظاہر ہونا، جذبات ورغبات، نفسیاتی وذہنی ہم آہنگی کا فقدان، جنسی وشہوانی خواہشات کا غلبہ اور ہر زمانہ ودور کے اندر نظر وطرزِ معاشرت میں فرق اس امر کا تقاضا کرتے تھے کہ سلسلۂ انبیا مسلسل ہو، یک گونہ تسلسل کے ساتھ تدریجاً انبیا کرام کی بعثت عمل میں آئے، اور ہر امت وقوم کے لئے ایک نبی ہو، جو اس کے قلب وجاں میں سرایت کردہ بیماریوں کی تشخیص کرے اور فکر ونظر، معاشرت ومعاش میں جو کجیاں در آئی ہیں ان کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے انسان کی تخلیق کے مقاصد اور اس کی غرض وغایت واضح کرے تاکہ اپنے اصلی مقصد کے بارے میں امت کا ذہن واضح ہو، ان میں مکمل ہم آہنگی اور اتفاق رائے ہو، اور سب کے سب منہج ہدایت و صراطِ مستقیم کے راہ رو بن جائیں۔

اور ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجتے رہے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور
شیطان سے بچتے رہو، سو ان میں بعضے وہ ہوئے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت
دی اور بعضے ان میں وہ ہیں جن پر گمراہی کا ثبوت ہوگا۔(۲۹)

ہر قوم وملت میں ماحول کے اختلاف اور جادۂ حق سے انحراف کے مختلف اسباب کی بنا پر بھی ضروری تھا کہ ہر امت کے ساتھ ایک رسول خاص ہو، جو اس کو اعتقادی آفات، نفسیاتی امراض اور اجتماعی ومعاشرتی انارکی سے بچائے رکھے، اور اس وقت وہ جن امراض میں مبتلا ہے اور ضلالت کے جن اندھے گڑھوں میں ہاتھوں پاؤں مار رہی ہے، انہیں اس سے نکال کر جادۂ حق پر ڈالنے کی سعی کرے۔

تاریخ نبوت کا سرسری جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ ہر نبی اپنے زمانہ و ماحول کے مناسب ایک خاص ذمہ داری لے کر مبعوث ہوا ہے۔ نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو

توحید کی دعوت دیتے رہے۔ تاہم انکی تیرہ بختی سعادت و فلاح کی راہ میں حائل ہوئی اور انہوں نے روگردانی کا وطیرہ بنایا، آخر کار انہیں ایک ہیبت ناک طوفان نے آگھیرا اور وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچے۔ ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دعوت کو لے کر آئے، اور اپنے دور میں شرک و بت پرستی کے طوفان بلا خیز سے نبرد آزما ہوئے۔ اور ہر ممکن طریقے سے قوم کو اعتقادی بیماریوں سے نجات دلانے کی سعی کی۔ دریں اثنا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمایا اور وہ آزمائش پر پورا اترے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل میں نبوت و کتاب کے سلسلے کا آغاز فرمادیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو غلامیت کی ذلت سے نجات دلائی اور فراعنہ مصر کے ظلم و جور کے پنجۂ استبداد سے انہیں نکالا۔ مسلسل حق تلفی کی شکار، ستم رسیدہ اور غلامانہ ذہنیت سے مغلوب قوم میں آپ علیہ السلام نے پیہم سعی سے عزتِ نفس، حریت فکر اور صلابت کی روح پھونکنے میں اہم خدمات انجام دیں، تاہم نے قوم نے ان احسانات کا بدلہ ناشکری و بے حسی سے دیا، اور ان احسانات کو اپنا حق گردانتے ہوئے علی الاعلان احکام الٰہیہ کی بے توقیری کی اور بلا جھجک سود کھاتے اور انبیاو رسل کو دستِ ستم کا نشانہ بناتے تھے۔ ظلم و ستم اور نافرمانی میں وہ اس قدر آگے بڑھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پسِ پشت ڈال کر علما و احبار کو خدا کا درجہ دے بیٹھے، نتیجتاً رفتہ رفتہ حلت و حرمت کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے کر پسند و ناپسند کی بنیاد پر فیصلہ کرنے لگے، تحریف و تاویل کا سیلاب بلا خیز در آیا، حتی کہ دنیاوی فوائد کے حصول کے لیے اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے اور اس کی پیروی و اتباع کی تلقین کرتے تھے۔ حرص و طمع کے جذبات سے اتنے مغلوب ہوئے کہ ماضی کے واقعات سے آنکھیں موند لیں اور حال ہی کو سب کچھ سمجھ کر عیش و عشرت میں اضافے کی تگ و دو میں مصروف ہوگئے۔ اس صورتحال کے سد باب کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت عمل میں آئی۔ ان کی بعثت کا مقصد قوم کی فکری کجیوں کی اصلاح فرمانا اور ان کے جذبات و وجدان کو مخاطب کر کے اصلاح کے عمل کی داغ بیل ڈالنا تھا اور ان کے دلوں میں خشیت الٰہی کا چراغ روشن کرنا تھا، شاید ان کے دل نرم پڑ جائیں اور راہ حق پر از سر نو چلنے لگیں۔ تاہم انہوں نے آپ کی قدر کی نہ آپ کی باتوں کو درخور اعتنا سمجھا، بلکہ آپ کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بننے میں مصروف ہوگئے۔

انبیا اکرام کے قصوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی بعثت انسانیت کے اصول، ان میں فکری و نظری اختلاف اور قوت و ضعف، فقر و غنی کے نقطۂ نظر سے عمل میں آئی ہے، اور ہر امت کے لئے اسی کے اصول کے مناسب نبی منتخب کیا گیا۔ حتی کہ جب ہر امت ہدایت و رسالت، شریعت و انوار معرفت سے اپنی متعین حصہ وصول کر چکی اور تمام انسانیت من حیث المجموع عملی نفسیاتی، فکری و ذہنی اعتبار سے اعلیٰ صلاحیتوں

کی حامل اور ایک عمومی رسالت کی قبولیت کے تمام اسباب بہم پہنچ گئے۔ تو اللہ جل شانہ نے نبوت کے سلسلۃ الذھب کا اختتام فرمادیا، اور سر اختتام ایسا نبی مبعوث فرمایا جس کے بعد کسی نبی کی چنداں حاجت نہیں، اور ایسی کتاب نازل فرمائی جو سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے اور ہر دور کی ضروریات پر حاوی ہے۔

اور آپ کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے اس کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سن رہے ہیں، خوب جان رہے ہیں۔ (۳۰)

یہ کتاب تمام انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، اس کی ہدایات میں وہ راستہ پنہاں ہے جو دنیوی واخروی سعادت پر منتج ہوتا ہے، اور یہ ایک ایسی جائے پناہ اور مرجع ہے جس کی طرف ہر حال میں رجوع کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس نور کے ساتھ ظلمت کا کوئی مس نہیں، نہ اس ہدایت کے ساتھ تذبذب کو کوئی سروکار ہے۔ اس واضح حق کی موجودگی میں گمراہی وضلالت کو کسی کونے کھدرے میں دیکھنے کے سوا چارہ کار نہیں۔ اس عزت وکرامت کے کوچے میں ذلت ورسوائی کا گزر نہیں اور نہ اس توحید کے ہوتے ہوئے شرک وجہالت کا عنصریت پنپ سکتا ہے۔

ختم نبوت۔ بقائے شریعت:

گذشتہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ ہر نبوت فی نفسہ کامل تھی اور ہر سابقہ نبوت آئندہ کے لئے تمہید۔ علاوہ ازیں ہر نبوت اپنے زمانے کے ساتھ خاص اور اپنے وقت کے حالات کی ضروریات اور ہر فائدہ رساں چیز کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ موزونیت کے اس درجے پر تھی کہ اپنے وقت کے لوگوں کے مزاج وطبعیت کے ہم آہنگ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتی تھی، سابقہ شرائع میں غور سے اس امر کا ادراک کیا جاسکتا ہے، بنی اسرائیل جو سخت دل، خشک طبیعت، مذموم اخلاق کے حامل تھے، ان کے لئے شریعت وقانون بھی ایسا ہی مناسب تھا جو بے لچک اور سخت ہو۔ شیخ محمد خضری کی فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی شریعت میں بیشتر امور ایسے تھے، جو ان کے ہاں حلال اور پسندیدہ تھے، جیسا کہ بھائی کی بہن سے شادی، تاہم توریت نے انہیں حرام قرار دیا، اور بہت سے چیزیں اس کی رو سے حرام کے زمرے میں آتی تھیں جیسا کہ ہفتے کے روز کام وغیرہ کرنا، لیکن انجیل نے ان پر خط تنسیخ پھیر دیا حالانکہ ان احکام کی تنفیذ میں اس قدر سختی سے کام لیا گیا تھا کہ ان کی بجا آوری سے پہلوتہی کی سزا قتل تھی۔ سابقہ شریعتوں کے بہت سے احکام واوامر قرآن کے ذریعے منسوخ ہوئے، جیسا کہ درج ذیل آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

سب کھانے کی چیزیں نزول تورات سے قبل باستثنا اس کے جس کو یعقوب نے اپنے نفس پر حرام کیا تھا، بنی اسرائیل پر حلال تھیں (۳۱)

اسی ضمن میں پیش رفت کرتے ہوئے یہود پر اعمال بد کی بنا پر بہت سے اشیا حرام قرار دی گئیں

اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو، یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو، ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔ (۳۲)

سو یہود کے ان ہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور بسبب اس کے کہ وہ بہت سوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھا جاتے تھے (۳۳)

یہود کے فسق و فجور اور احکام الٰہیہ سے استہزا کی وجہ سے ہفتے کے دن انہیں کسی بھی قسم کی سرگرمی سے باز رہنے کی تلقین کی گئی تھی۔ تاہم وہ نافرمانی اور مخالفت کی روش اپنائے رہے۔

پس ہفتہ کی تعظیم تو صرف انہی لوگوں پر لازم کی گئی تھی جنہوں نے اس میں خلاف کیا تھا۔ (۳۴)

اور آپ ان لوگوں سے اس بستی والوں کا جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھئے جب کہ وہ ہفتے کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جب کہ ہفتے کے روز تو مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں ہم ان کی اس طرح آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ (۳۵)

پھر عیسیٰ علیہ السلام ان کی طرف بھیجے گئے، انہوں نے توریت کی تصدیق کے ساتھ اللہ جل شانہ کے حکم سے بعض احکام میں تخفیف فرمائی۔

اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی

یعنی توراۃ تھی، اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے لئے بعض ایسی چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی تھیں۔ (۳۶)

اس تشدید و تخفیف اور شرائع میں جزوی اصلاح و ترمیم کا مقصد یہ تھا کہ مخصوص امت، اور خاص حالات و واقعات کے پیش نظر اصلاحِ انسانیت کی عالمگیر تحریک کو آگے بڑھایا جاسکے اور گردشِ ایام کی بنا پر معاشرے میں جو تبدیلیاں رونما ہوں ان کے تقاضوں کے مطابق شریعت و قانون میں مناسب رد و بدل کیا جائے۔ مختصراً یہ کہ ان شرائع کا دائمی طور پر رہنا مقصود نہ تھا اور نہ ان میں اتنی صلاحیت ودیعت کی گئی تھی کہ وہ اقوامِ عالم اور تمام انسانیت کے کے لئے مشعلِ راہ کا فریضہ انجام دے سکیں، زمان و مکان کی پابندیوں میں مقید ان شرائع کا دائرۂ عمل محدود تھا، چنانچہ ان شریعتوں کی کتب بھی ابدیت و دائمیت کے دعوے سے عاری تھیں بلکہ وہ نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت خاتم کی بشارت دیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان شرائع کی حفاظت کی ذمہ داری نہ اٹھانا بھی اسی نقطۂ نظر کی بنا پر تھا، چنانچہ اہل ہوئی نے ان کے حقیقی خدوخال مسخ کردیئے ان میں تحریف و کمی بیشی کی تہ در تہ پرتوں کے سبب ان کی اصل صورت عوام الناس کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

اس کے برخلاف اللہ جل شانہ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری، زمان و مکان کی تخصیص کے بغیر خود لی، ارشاد ربانی ہے۔

قرآن ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (۳۷)

مرورِ زمانہ نے اس وعدے کے حسن ایفا پر مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے، ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسے وسائل بہم پہنچائے ہیں جن کے ذریعے قرآن کی حفاظت ممکن ہوسکی۔ کبھی تو سینوں میں اسے محفوظ رکھا گیا اور کبھی کتابت و اوراق کے وسائل مہیا کئے گئے۔ بنابریں مکمل ایقان و اعتماد کے ساتھ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ روئے زمین پر قرآن کریم کے علاوہ ایسی کسی کتاب کا پایا جانا از قبیلِ محال ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرح منسوب ہو اور وہ تحریف و تبدیلی سے محفوظ ہو، اس کے علاوہ قرآن کے ایک ایک حرف کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی صحت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اور اس میں اختلاف کا شائبہ تک نہیں۔

شریعتِ خاتم کو دیکھا جائے تو وہ ہر قسم کے طبقاتی فرق اور امتیازات سے عاری ہے۔ اس کے احکام و قوانین اور اوامر و نواہی اوقات کے ساتھ خاص ہیں نہ کسی فرد کے لئے تخفیف و لچک کا جانبدارانہ رویہ رکھتے ہیں، تاہم یہ شریعت ہر زمانے اور ہر جگہ کے معاشرے و ماحول کے سدھار کے لئے جامع قوانین کی شکل میں ایسا دستورِ حیات ہے، جس سے پہلو تہی ممکن نہیں، اس لئے کہ کوئی زمانہ، کوئی جگہ اور

کوئی معاشرہ آسمانی ہدایات، روحانیت اور شریعت الٰہیہ کی احتیاج سے آزاد نہیں ہوسکتا۔

اس جامعیت کے برعکس اگر شریعتِ خاتم زمان ومکان کی قیود میں جکڑی ہوئی یا حالات و واقعات کی حدود میں محصور ہوتی تو ان کی تبدیلی سے اس کی فعالیت واثر انگیزی متاثر ہوتی، ہدایت کا چشمہ سوکھ جاتا۔ لوگ حیرت واستعجاب سے دائیں بائیں دیکھنے پر مجبور ہوجاتے، انتظام وانصرام ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور اخلاقی قدریں پامال ہوجاتیں، ذہنی وفکری انار کی تمام شعبہ ہائے حیات کو لپیٹ میں لے لیتی۔ خصوصاً اس پس منظر میں کہ نبوت کا دروازہ بند ہوچکا ہو، اور نئی رسالت کی ادنی امید بھی نہ ہو، لہذا اس کے علاوہ چارۂ کار نہ تھا کہ شریعتِ خاتم ایسی مضبوط ومرتب ہو کہ ہر دور میں قابل عمل اور نسخ وتبدیلی کا احتمال نہ رکھے۔ مسائل کتنے ہی گھمبیر کیوں نہ ہوں اور حادثات کتنے ہی سرعت سے وقوع پذیر ہوں، شریعت ہر مشکل کے تدارک اور ہر گھمبیر صورتحال سے نکلنے کی صلاحیت سے مالا مال ہو۔

ختمِ نبوت ان اوصاف وکمالات کی حامل نہ ہوتو اسے نورِ ہدایت کے لئے سدارہ سمجھنا مناسب ہوگا، اور لوگوں کو مشکلات ومصائب میں مبتلا کرنے کی کوشش سے اس کی تعبیر کی جائے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحیم وکریم ذات سے بعید ہے کہ وہ بنی آدم کو اس قسم کی مشکلات سے دوچار کرے۔

کیا ہم تم سے اس نصیحت کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو۔(۳۸)

اس صورتحال کے امکانات کو ختم کرنے کی غرض سے انبیا کرام بھیجے گئے، ختم نبوت اور شریعت خاتم کو ابدیت ودوام سے ہمکنار کیا گیا ہے اور اس کے ہر جز میں ہدایت وسعادت سمودی گئی ہے۔

تو جو شخص میری اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا۔ اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض برتے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔(۳۹)

ابدیت، دوام اور ہدایت کی یہ کیفیت ثابت کرتی ہے کہ یہ دین وشریعت انتہائے کمال پر فائز ہے۔

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لئے پسند کرلیا۔(۴۰)

شریعت خاتم، دین اسلام پایہ تکمیل تک پہنچنے کے بعد ہر طرح کے تغیر وتبدل، نسخ وزیاتی، تحریف لفظی ومعنوی سے محفوظ ہوگیا ہے، اس طرح کی ہر کوشش اب ضلالت اور گمراہی سے تعبیر کی جائے گی۔ حق

وصداقت کے بعد گمراہی ہی ہے۔ اس بنا پر شریعت اسلامیہ باقی رہے گی جب تک انسانیت کی بقا مقدر ہے، اس لئے کہ کسی نئے نبی کی بعثت متصور ہے نہ اس کے ساتھ کسی نئی کتاب وشریعت کی آمد۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو انوارِ ہدایت سے دور نہیں رکھا۔

تاکہ لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔(۴۱)

چنانچہ شریعت اسلامیہ کو آخری آسمانی دستور بنایا اور اسے ہر فرد کی دسترس میں رکھا۔ اسے ایسی کامل ومکمل ہدایت بنایا جسے کلی طور پر تبدیل کیا جاسکتا ہے نہ جزوی طور پر اس میں تغیر کا احتمال ہے، اور نہ اس کے ابواب میں سے کسی باب میں اس کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس امر کو دو مقدموں سے ثابت کیا جاسکتا ہے:

اول: شریعتِ اسلامیہ تکمیل کے مراحل طے کر کے درجۂ کمال پر فائز ہوچکی ہے، لہٰذا اب کسی قسم کا ردو بدل اس کے کمال میں نقص شمار ہوگا۔

دوم: شریعت اسلامیہ میں ردو بدل کا جو ذات استحقاق رکھتی تھی، اس نے آگاہ کردیا ہے کہ یہ کامل ہوچکی ہے، اب وہ اس میں کمی بیشی نہیں کرے گی۔ اسی ذات نے ہمیں بتایا ہے، باب نبوت بند ہوچکا ہے، لہٰذا اب نئے نبی کی آمد کا انتظار عبث ہے، جو اس میں ردو بدل کا مجاز سمجھا جاسکتا تھا۔ شریعت اسلامیہ میں کمال کی یہ کیفیت جیسا کہ کلیتاً ہے، اسی طرح اس کے ہر ہر جز میں بھی سمجھا جانا چاہئے۔

شریعت کا دوام اور اجتہاد کی ضرورت:

ہر منصف مزاج نکتہ رس شخص کے نزدیک یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ اسلام اپنی اس صورت وہیئت میں جس کی تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر چکے ہیں، اللہ جل شانہ کا پسندیدہ دین ہے، جو ابدالآباد تک دنیا میں رہے گا۔ اور جیسا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ اختیار اور اس کے ارادے کی طرف لوٹتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ بہترین اور پُر از حکمت چیزوں کو منتخب فرماتا ہے،

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے۔(۴۲)

اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے، جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں

کی محافظ ہے۔ (۴۳)

اس رسالت میں اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کے آثار اس کی ان خصوصیتوں میں دیکھے جا سکتے ہیں، جن سے اس سے قبل کی نبوتیں تہی ہیں۔ یہ خصائص اپنے اجمال و تفصیل میں اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ رسالت خاتم الرسالات ہے، اس لئے ابدی ہے، قیامت تک کوئی شریعت اسے منسوخ نہیں کر سکتی۔

اجمال سے مراد قرآن کریم کا بے مثال معجزانہ اسلوب ہے، قرآن میں ذکر کردہ انبیا اکرام کے قصوں میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، وہ خو[illegible]ت کرتا ہے کہ ہر نبی صرف اپنی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا تھا، اس لئے کہ ان انبیا کو خطاب کرتے وقت مخصوص وصف یا علامت سے انہیں موسوم کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۂ ہود، سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا۔ اس کے برعکس خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عمومی رسالت و تبلیغ کے مکلّف قرار دیئے گئے تھے اور اس عمومیت میں رنگ و نسل کا امتیاز تھا نہ زمان و مکان کی تخصیص۔ اس لئے آپ سے خطاب کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے جو پوری انسانیت کا احاطہ کرتے ہیں۔

> اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (۴۴)
>
> آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر، جو اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان کا اتباع کرو تاکہ تم راہ پر آجاؤ۔ (۴۵)

اسلوبِ مخاطبت کے علاوہ عمومیت کی یہ کیفیت ان معجزات سے بھی مترشح ہے جو آپ کے ہاتھوں ظاہر ہوئے۔ موضوع سخن کے لحاظ ان میں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بعض معجزات کے آثار اب تک محفوظ ہیں، یہ اس لئے ہے کہ طالب حق انہیں دیکھ اور پرکھ کر سچائی تک بہ سہولت رسائی حاصل کر سکے اور اس دین کی حقانیت اس پر واضح ہو جائے۔

شریعت کے علاوہ عقیدۂ اسلام میں مہر ختم نبوت کا پرتو اس طرح ہے کہ یہ عقیدہ بسیط اور واضح ہے، تعقید، گنجلک، الجھاؤ اور غموض کا اس میں شائبہ تک نہیں ہے۔ ہر سطح کی عقل اسے قبول کرنے میں جھجک

محسوس نہیں کرتی۔ غور وخوض اور بال کی کھال اتارنے کی عادی عقل اسے قبول کر کے حیرت انگیز طور پر پر سکون ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سادہ عقلوں کے لئے بھی اس میں راحت کا سامان ہے۔ اسی طرح مختلف جذبات و وجدان کے حامل افراد بھی اسے بغیر کسی رد و کد اور بحث و تمحیص کے قبول کر لیتے ہیں۔ مفکرین و دانشور جس طرح اس عقیدے کو اپنا لیتے ہیں، بعینہ اسی طرح ناخواندہ طبقہ بھی اسے حرزِ جاں بنا لیتا ہے۔

عقیدۂ اسلام کی دوسری بڑی اور اہم خصوصیت اس کا فطری ہونا بھی ہے۔ یہ عقیدہ براہ راست فطرتِ سلیمہ کو مخاطب کرتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک اس کی توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

> تو تم یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو، اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے، بدلنا نہ چاہئے، پس سیدھا دین یہی ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۴۶)

فرد کی فطرت اگر خارجی محرکات سے متاثر نہ ہو تو وہ سوائے دین اسلام کے کسی مذہب وملت کی طرف نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالے اور فطرت، وجدان اور ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کر لے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

> **مامن مولود الایولد علی الفطرة فابواه یهود انه او ینصرانه او یمجسانه، کما تنتج البهیمة بهیمة جمعاء فلاتحسون فیها من جدع. ثم یقول ابوهریرةؓ: فطرت الله التی فطر الناس علیها لاتبدیل لخلق الله ذلک الدین القیم○ (۴۷)**

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، انسان اگر خارجی اثرات وغیرہ سے محفوظ رہے، تو فطرت کو قبول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں یہ عقیدہ وحی الٰہی سے ثابت ہے، اس میں تصرف، تغیر، نسخ و تبدیل کا حق ذات باری کے سوا کسی کو حاصل نہیں، خواہ وہ کوئی فرد ہو یا منتخب افراد کی جماعت۔ پھر یہ عقیدہ مخالف و متضاد عناصر کی دستبرد سے محفوظ چلا آ رہا ہے۔ جب بھی مسلمان اس میں کمزوری یا کجی کا شکار ہوتے ہیں تو اللہ جل شانہ کسی مجدد و عالم دین کے ذریعے انہیں جادۂ حق پر لے آتے ہیں، اور صحیح و خالص عقیدہ جو قرآن اور سنت نبویہ سے ثابت ہے، از سر نو ان میں رسوخ پا لیتا ہے۔

یہ عقیدہ بسیط، سادہ، فطری اور واضح ہونے کے باوجود جبر وقہر اور زبردستی کا حامی نہیں، بلکہ متبعین کو حجت و دلیل کے ذریعے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے، انھیں غور وفکر کی کھلی دعوت دیتا ہے۔ اور صرف قلب و وجدان کو جذباتی و ایمانی انداز میں مخاطب نہیں آتا بلکہ جب فہم وفکر اور عقل کو دلیل، تفسیر و تعلیل کے طرز نو سے خطاب کرتا ہے تو کوئی چارہ نہ پا کر عقولِ سلیمہ اس کے سامنے سپر انداز ہو جاتی ہیں، وجدان سر تسلیم خم کر لیتا ہے، نفس یک گونہ راحت پاتا ہے، اور قلب نور کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔ قرآن کی ہر ہر آیت اس اسلوب کی یکتا و جداگانہ مثال ہے۔

ان تمام خصوصیات کے علاوہ یہ عقیدہ افراط وتفریط سے کوسوں دور اور راہِ اعتدال پر گامزن ہے، اعتدال کی یہ کیفیت اس کے ہر ہر جز میں رچی بسی ہے، خواہ وہ جز عالم غیب پر ایمان کا ہو یا اللہ تعالیٰ کی صفات کا، جو ایجاب وسلب اور نفی واثبات کے مابین دائر ہیں۔ یا مقام انبیا کا جز ہو، جو اس عقیدے کی رو سے عام انسانوں سے برگزیدہ اور ممتاز حیثیت کے حامل ہیں، اطاعت اور توقیر واتباع کے حق سے محروم نہیں۔ اسی طرح دیگر اجزا کا حال ہے۔

فروعی قواعد کی رو سے جنھیں اصطلاحی زبان میں ''فقہ وشریعت'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، دیکھا جائے تو سابقہ شرائع میں ایسی تصریحات ملتی ہیں جو اسے اسی عہد یا مکان کے ساتھ خاص کرتی ہیں، ان شرائع میں اسی عہد کے روزمرہ مسائل کا حل ہوتا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں تھا۔ یہی صورتحال ہود، لوط، شعیب وصالح علیہم السلام کی رسالت کی تفصیل میں ملتی ہے، جبکہ شریعتِ خاتمہ میں اس کا دور دور تک نام ونشان نہیں، اس کے برعکس عمومیت کی فضا ہے، فرد، جماعت، امت، ملک، حتی کہ باہم دیگر تعلقات کی نوعیت، ضرورت ہر سطح پر شریعت اسلامیہ رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی نظر آتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ انسانی حقوق کی سب سے بڑی داعی ہے، محبت، رحمت، شفقت واحسان، بھائی چارے ودرگزر اس کی بنیادی تعلیمات ہیں، یہ شریعت ان عناصر کو ربانی ہدایت کی روشنی میں ایک خاص تناسب سے ترکیب دیتی ہے اور انسان سے بحیثیت انسان معاملہ کرتی ہے، تاہم اس میں اتنی روحانیت پیدا کر دیتی ہے جسے ترقی دیکر مقام ومرتبے میں وہ ملائک سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

اور ہم نے اس قرآن کو راستی ہی کے ساتھ نازل کیا اور وہ راستی ہی کے ساتھ نازل ہو گیا اور ہم نے آپ کو صرف خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (۴۸)

وہ ایسا ہے کہ اپنے بندے پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر بڑا شفیق و مہربان ہے۔(۴۹)

اور ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہے(۵۰)

اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوش خبری سنانے والا ہے۔(۵۱)

یہ قرآن کوئی گھڑی ہوئی بات تو ہے نہیں، بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں آچکی ہیں ان کی تصدیق کرنے والا ہے، اور ہر بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعۂ ہدایت ورحمت ہے۔(۵۲)

علاوہ ازیں شریعت خاتم کا طرۂ امتیاز ہر عمل میں سہولت، آسانی اور تیسیر کا نکتہ نگاہ اپنانا ہے، تنگی، تشدد وتعسیر سے یہ شریعت متنفر ہے۔ یسر وسہولت کا باب اتنا وسیع ہے کہ مختلف ومتنوع طبائع اس پر عمل کرتی ہیں اور معاشروں اور سوسائٹیوں کا اختلاف اس پر عمل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ عالی ہمت اور قوی الارادہ افراد اپنی ہمت وارادے کو اس میں محبوس نہیں پاتے بلکہ یہ شریعت ان کی وہبی صلاحیتوں کو فلاح انسانی کے کاموں میں استعمال کرنے کے لئے ابھارنے کا طریقہ اختیار کرتی ہے۔ بعینہ اسی طرح ضعیف الجسم، بدنی یا عقلی مریض، مادی یا معنوی اعذار میں مبتلا افراد سے ان کی قوت وفطرت سے بڑھ کر مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ غرض غریمت اصحاب عزائم کے لئے اور رخصت معذوروں کے لئے۔

اللہ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں(۵۳)

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جس نے اچھے کام کئے تو اس نے اپنے ہی لئے کئے، اور جس نے برے کام کئے تو اس نے اپنے ہی لئے کئے۔(۵۴)

یہ تمام رخصتیں خالص توقیفی عبادت نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ میں نافذ العمل ہیں، چنانچہ جو شخص نصاب کا مالک نہیں، اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی بھی نہیں۔ حج کی استطاعت نہ رکھنے والا اس عبادت کی بجا

آوری سے معذور ہے۔ بعض اعذار کی موجودگی میں روزے کا حکم نہیں تاوقتیکہ وہ زائل نہ ہو جائیں، اگر ان کے زائل ہونے کی امید نہ ہو تو ایک مخصوص مقدار میں فدیے کی ادائیگی کے ذریعے روزے کے فرض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ نماز کو ایک خاص ہیئت میں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر شرعی عذر لاحق ہو تو کوئی بھی ممکنہ قریبی صورت اس کا بدل بن سکتی ہے۔ پاک صاف زمین پر پانی سے طہارت حاصل کر کے نماز ادا کی جاتی ہے، پانی اگر معدوم ہو تو مٹی سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے، اس طرح دیگر فرائض و امور میں بھی شریعت خاتم نے سختی و تشدد سے اجتناب برتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس سابقہ شرائع میں بے لچک رویہ اختیار کیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

> اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی اور بھول چوک سے سرزد ہونے والے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے، اور زبردستی کرائے جانے والے گناہ بھی۔ (۵۶)

حتی کہ عقیدے میں بھی یہی رویہ روا رکھا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

> پس جھوٹ افترا کرنے والے تو یہ ہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ ہیں پورے جھوٹے۔ جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے، مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو (تو وہ مستثنیٰ ہے) (۵۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی صحابی کو کہیں بھیجتے تو دیگر نصائح کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرماتے:

> **بشروا ولا تنفروا، ویسروا ولا تعسروا (۵۸)**
>
> بشارت دو نفرت نہ دلاؤ، آسانی کرو تنگی و دشواری سے کام نہ لو۔

رخصت کے عمل کے ساتھ ساتھ شریعت خاتم میں اتنی لچک رکھی گئی ہے کہ ہر نسل اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اس کے اصول و قواعد میں مناسب اصلاح و ترمیم کر سکے۔ اس اصلاح و ترمیم کا ماخذ قرآن و سنت سے ماخوذ اور اس عمل سے مسلمانوں کی بھلائی مقصود ہو۔ شورائی نظام کا قیام اسی نکتے کی بنا پر ہے کہ تحفیذ کی کیفیت واضح ہو جائے اور احکام اسلام سے بھرپور استفادہ ممکن بنایا جا سکے اور جس دور میں عدل و انصاف کا حصول جس طریقہ سے ممکن ہو، اس سے اعراض نہ برتا جائے۔

لچک و نرمی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بہت سے معاشرتی قواعد ایسے ہیں جو حاکم و امیر کے واسطے کے بغیر مسلمانوں پر ان کی رعایت ضروری قرار دی گئی ہے، مثال کے طور پر قاعدہ ہے کہ "فساد کو ٹالنا، فوائد کے حصول پر

مقدم ہے''۔یعنی ایک عمل میں نفع سے زیادہ نقصان کا احتمال ہے، ایسے عمل کا ترک لازم ہے۔اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ ''مشقت کا تقاضا ہے کہ سہولت برتی جائے'' علاوہ ازیں بہت سے قواعد ہیں جو مسلمانوں کے لئے روزمرہ زندگی میں شریعت کے نفاذ میں ممد ومعاون ہیں اور ہر دور میں ان کا افادی پہلو نمایاں رہا ہے۔

عمومیت ونرمی کی بنا پر نئے نئے حوادث ومسائل کے متعلق شریعت اسلامیہ کے بنیادی، اساسی اور اصولی ماخذ سے احکام کے استنباط کے لئے اجتہاد کا حکم دیا گیا ہے، یہ ایک ایسا طریقہ کار ہے جو ناگہانی صورتحال اور ترقی کے تقاضوں سے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں عہدہ برآ ہونے کا محفوظ ترین راستہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اجتہادی صلاحیتوں کو ابھارتے رہتے تھے۔ بیشتر مسائل میں ان سے مشورہ لیتے اور قابلِ عمل آرا سے اتفاق کا اظہار فرماتے ہوئے انہیں نفاذِ عمل میں لانے کی سعی فرماتے تھے۔عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک یہی طریقہ رائج ہے، اسی لئے نئے نئے حادثات اور جدید مسائل کے حل کرنے میں شریعت اسلامیہ کا دامن کبھی تنگی کا شکار نہیں ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کے عام قواعد واصول ایسی کیفیت اور تناسب سے وضع کئے گئے ہیں کہ جدید مسائل ان کے دائرہ عمل سے خارج نہیں ہیں۔

خیر القرون کے بعد علمائے امت نے یہی طریقہ اپنایا اور شریعت کے بیان کردہ اصول سے احکام کے استنباط واستخراج کے قواعد ضبط فرمائے۔ اگر کوئی ایسا شخص یا اجتماعی حادثہ یا مسئلہ درپیش آجاتا جس کی بابت نصوص میں کوئی صراحت وارد نہیں ہوئی اور نہ پہلے کسی دور میں ایسی صورتحال کا سامنا ہوتو علماء مجتہدین اپنی تمام کوششوں وصلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ایسے مناسب احکام کا استنباط فرماتے جو شریعت کے غیر متزلزل قواعد سے متصادم نہیں ہوتے تھے۔

اسلام نے اسے ائمہ مجتہدین پیدا کئے جن پر انسانیت بجا طور پر فخر ومباہات کا اظہار کرسکتی ہے، ان میں چار مشہور ائمہ مسلک وفن ہیں۔ اسلام میں ہمیشہ سے یہ صلاحیت ودیعت کی گئی ہے کہ وہ ایسے ائمہ پیدا کرے جن سے انسانیت کو قرار وسکون نصیب ہو اور سفینۂ حیات کو مصائب وآلام کے بھنور سے نجات پاکر ساحلِ مراد تک رسائی حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا نہ ہو۔

قرآن کریم، خاتم النبیین کا خاتمۃ المعجزات:

قرآن کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، بلکہ ایک اعتبار سے تمام انبیا کا معجزہ

ہے۔ قرآن کریم کا نزول بعثت نبوی کے تمام عرصے پر محیط رہا، اور اپنے انوار و برکات سے قلب و جاں کو معطر کرتا رہا۔ دیگر معجزوں کے برخلاف یہ ایسا معجزہ ہے جس کی اعجازی کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی برقرار ہے، اور ایک امتیازی شان کی حامل ہے۔

بعد از بعثت ہر نبی کے ہاتھ پر ایسے خارق العادت امر کے ظہور کا التزام کیا گیا ہے جس کا عادتاً ان کے ہم جنس انسانوں سے تائید ایزدی کے بغیر ظاہر ہونا انتہائی ناممکنات سے ہوتا ہے۔ یہ معجزہ آخری حجت و دلیل کی حیثیت سے اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا کیا جاتا تھا۔ یہ مادے و محسوسات کی قبیل سے ہوتے تھے، تاکہ اہل دعوت ان کا مشاہدہ کریں اور دعوت کی سچائی ثابت ہونے کے بعد اس کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔ علاوہ ازیں یہ معجزات اور خارق العادات امور حاضرین اور عینی شاہدین کے حق میں حجت اور دلیل کی حیثیت کر کھتے تھے، تاہم جب نبی دارِ فرار سے دارِ قرار سدھار جاتے تو مشاہدہ کرنے والوں کی اگلی نسل کے پاس وہ معجزات قصوں اور کہانیوں کی شکل میں رہ جاتے تھے اور مرور زمانہ کی گرد میں دب کر ان کے حقیقی خدوخال مٹ کر رنگ آمیزی سے افسانوں کی شکل اختیار کر کے اگلی نسل کو منتقل ہوتے تھے۔ بالفرض محال اگر تسلیم کرلیا جائے کہ تاریخی روایات میں یہ معجزات تحریف و رنگ آمیزی سے محفوظ رہتے تھے، تو بھی تاریخی حقائق اذعان و یقین کی وہ کیفیت پیدا کرنے سے عاری ہیں جو بچشم خود دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

کسی دین و دعوت کے بارے میں اللہ جل شانہ کا فیصلہ ہوتا کہ وہ اپنے نبی کی عمر سے زیادہ عرصہ دنیا میں گذارے تو اس کے لئے طریقۂ کار یہ اختیار کیا جاتا کہ پے در پے انبیا مبعوث کئے جاتے تھے، وہ حسی معجزات کے ذریعے اپنی نبوت ثابت کر کے اس دعوت و رسالت کی تبلیغ کرتے تھے، بنی اسرائیل کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔

اب محض تاریخی روایت کی بنا پر کسی سابقہ نبی کی نبوت پر ایمان ہمارے لئے واجب نہیں، اگرچہ وہ روایت متواتر یا روایۃ الابناء عن الاباء کی قبیل سے ہو۔ بلکہ گذشتہ کسی بھی نبوت کی تصدیق کا معیار یہ ہے کہ قرآن میں تصریح موجود ہو یا زبان رسالت نے اس کی توثیق کی ہو۔ شہرستانی فرماتے ہیں کہ ہر مکلف پر اللہ جل شانہ، ملائکہ، کتب سماویہ پر مطلقاً ایمان لانا واجب ہے، تاہم آپ صلی اللہ سے قبل تشریف لانے والے انبیا و مرسلین پر قرآن و حدیث کی رو سے نام بنام ایمان لانا واجب ہے نہ کہ شخصاً شخصاً۔ (۵۹)

رسالتِ خاتمہ کی نسبت تصریح کے ساتھ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفا ہونگے نہ کہ نبی و رسول، چنانچہ یہ امر محال ہے کوئی نبی آئے اور لوگوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

نبوت و رسالت پر ایمان کی تجدید کرے۔ جب خلفا لوگوں کا رشتہ آپ کی رسالت و نبوت، تعلیمات و شریعت سے مربوط رکھیں گے تو یہ امر ظاہر ہے کہ وہ معجزات کے صدور پر قادر نہیں ہیں، جو کہ اتمام حجت کا آخری مرحلہ ہے۔ لہذا ایک ایسے معجزے کی حاجت تھی جو مادی وحسی معجزات سے یکسر مختلف ہو، اس لئے کہ مادی وحسی معجزات وقوع کے بعد قلیل عرصے میں معدوم و ناپید ہو جاتے ہیں، اور مرورِ زمانہ سے ان کی چکا چوند اور تاثیر میں بھی فرق آتا ہے، لہذا ایسا معجزہ جس کی تاثیر، بقا اور مطمئن کرنے پر اس کی قدرت ہر زمانے میں شک وشبہ سے بالاتر ہو، رسالتِ خاتمہ کے لئے از بس ضروری تھا۔

ان اوصاف کا حامل معجزہ وہی ہوسکتا تھا جو انسان کی درماندگی، بے طاقتی اور اللہ جل شانہ کی غیر متناہی قدرت کو واضح کرے۔ چنانچہ قرآن کی صورت میں یہ معجزہ نظر افروز ہوا، اس سے انسان کا تعلق ایسا ہی ہے جیسا حقیقت کا قانون سے اور فطرت کا اعلیٰ اقدار سے۔ یہ معجزہ ہر دور میں انسان کے بحیثیت انسان عجز و درماندگی پر برہانِ قاطع ہونے کے باوجود حریت و استقلال، عزتِ نفس و بزرگی کے وسیع آفاق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اس معجزے کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انسان کے مادے میں محصور حواس ہی سے اس کا تعلق نہیں بلکہ اس کی اعلیٰ صلاحیتیں، قلب و دماغ براہ راست اس کے مخاطب ہیں۔ اور ہر اس وصف سے یہ عظیم کتاب خطاب کرتی گئی ہے، جس کے سبب انسان انسان ہے اور دوسری مخلوقات سے الگ وجداگانہ حیثیت کا حامل ہے، خواہ انسان کو خود اس کا ادراک ہو یا نہ ہو۔

اس قرآنی معجزے کا عربی خطۂ زمین میں وقوع یہ ثابت نہیں کرتا کہ یہ صرف دنیائے عرب کے لئے حجت ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین مخاطب اول ہونے کی بنا پر اس کے ساتھ تخصیص کا کوئی شائبہ رکھتے ہیں، اس خدشے کے امکان کو زائل کرنے کے لئے قرین مصلحت تھا کہ اس معجزے میں اعجاز کی وہ کیفیت ودیعت کی جاتی جس پر نبی نوعِ آدم ثقافت ومشرب میں اختلاف کے علی الرغم سر تسلیم خم کردے اور قرآن اپنے معجزاتی اسلوب کے ذریعے ان کے دل و دماغ پر یوں گرفت کرلے کہ وہ گمان کریں کہ قرآن کا انہی پر نزول ہوا ہے اور وہی اس کے مخاطب اول ہیں۔

اعجاز قرآنی کے مختلف پہلو:

قرآن اپنی زبان میں بھی اعجازی شان لئے ہوئے ہے۔ عربی زبان دیگر زبانوں سے ادب،

اشتقاق، لغت وغیرہ میں فائق ضرور ہے مگر ذاتی اعتبار سے معجز نہیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ اعجاز سمو دیا کہ عرب اہل لسان ہونے کے باوصف قرآن کی مثل کوئی کتاب یا اس کی سورۃ جیسی کوئی سورۃ لانے سے ہمیشہ عاجز رہے ہیں۔ عجز و درماندگی کی یہ کیفیت تمام نوع بشر پر محیط ہے، اس لئے کہ انسان بحیثیت انسان عربی ہو یا عجمی ایک سے اوصاف کا حامل ہے لہذا جب ایک خطے کے لوگوں پر کوئی امر ثابت ہو جائے تو دیگر افراد پر بھی اس کا تحقق ہوگا۔

زبان و بیان کے علاوہ قرآن میں اعجاز کے دوسرے پہلو بھی ہیں، ہر عہد کے لوگ فکری، ثقافتی اور علمی ترقی کی مناسب اشیا اسی معجزاتی کتاب میں پالیتے ہیں، جس سے اللہ شانہ کے اس فرمان کی تصدیق ہوتی ہے:

ہم عن قریب ان کی اپنی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ قرآن حق ہے۔ (۶۰)

دعوت و جہاد کی ابدیت:

دین خاتم کے آخری پیغامِ الٰہی ہونے کی بنا پر گذشتہ ادیان پر غالب اور بنی نوع انسان سے اسی کے قبول آنے کے مطالبے کے باوصف اور اللہ کے ہاں اسی کے مقبول ہونے کی بنا پر ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ اور دینِ حنیف کی طرف دعوت صبح و شام خفیہ و علانیہ طور پر قیامت تک جاری رہے۔ چنانچہ دعوت و تبلیغ کے پہلے مکلف انبیا کرام قرار پائے۔

ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہونگے، آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔ (۶۱)

اور اللہ تعالیٰ نے اسلوب دعوت و منہج تبلیغ کے قواعد خود وضع فرمائے اور ان پر عمل کی ترغیب دی۔

سو آپ اسی کی طرف بلائیے اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہیے، اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، میں سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان میں عدل رکھوں۔ اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے۔ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں۔ اللہ

ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس جانا ہے۔ (۶۲)

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ (۶۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا لب لباب اللہ تعالیٰ، سلامتی اور جنت کی طرف بلانا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ دار البقاء کی طرف تم کو بلاتا ہے۔ (۶۴)

یہ لوگ دوزخ کی تحریض دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت و مغفرت کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے، اور اللہ تعالیٰ اس لئے آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں۔ (۶۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد یہ دعوت کتاب وسنت کی صورت میں باقی رہی۔ اس کی ترویج واشاعت کا عمل ایسے افراد کے بغیر ممکن نہ تھا جو اپنے عیش وآرام کو تج کر اس دعوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔ آپ کی حیات میں اس منصب کے حامل صحابہ کرام تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفود وسرایا کی شکل میں بغرض تبلیغ واشاعت دین انہیں بھیجتے تھے، سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بڑے یا چھوٹے لشکر پر جب امیر مقرر کرتے تو اسے اپنے رفقا کی بابت تقویٰ کی اور مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت فرماتے تھے۔ پھر ارشاد فرماتے تھے: ''جب تمہاری اپنے دشمن مشرکین سے مڈبھیڑ ہو تو اسے تین چیزوں کی دعوت دو، ان میں سے جو بھی اختیار کرلیں اسے قبول کرلو اور ان سے قتال نہ کرو، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اگر قبول لیں تو ان کے ساتھ قتال نہ کرو'' (۶۶)

اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی خطوط ومراسلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو دے کر اطراف واکناف کے بادشاہوں اور امرا کے پاس جانے کی ہدایت فرمائی۔ دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کو قیصر روم، عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو کسریٰ فارس، عروہ بن امیہ ضمریؓ کو نجاشی حبشہ، حاطب بن ابی بلتعہؓ کو سکندریہ کے حاکم مقوقس کی طرف بھیج کر دعوت وتبلیغ کا سنگ بنیاد رکھا۔ علاوہ ازیں عمرو بن عاصؓ علاؤ بن خضرمیؓ، شجاع بن وھب اسدیؓ کو بھی قرب وجوار کی ریاستوں میں بھیجا گیا۔ دین خاتم اور اس دعوت کے ہمیشہ باقی رہنے کا یہی بدیہی ومنطقی تصور تھا، جس کی داغ بیل آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ڈالی۔

اسلام میں اگر دعوت وتبلیغ کا ہر فرد کو پابند کرنے کی صراحت نہ بھی ہوتی تو یہ دعوی اس حکم کے استنباط کے لئے کافی تھا کہ یہ دین ابدالاباد تک رہنے کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ اس دعوی کا لازمی نتیجہ یہی

ہوتا کہ اس دین کا حامل ہر فرد اسے پھیلانے کی تگ و دو میں مصروف عمل ہو اور دعوت و تبلیغ کے عمل کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے۔ علاوہ ازیں اس امت کی خصوصیات و امتیازات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے نبی کو اللہ جل شانہ کی طرف سے جس حکم کا پابند کیا جاتا ہے، بعد از استثنا چند خاص احکام اس کی یہ امت مکلّف ہوتی ہے۔ اور یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ امت پر بھی اس حکم کی بجا آوری ضروری ہے۔ ان مقدمات اور اس تفصیل کی ضرورت اس وقت پیش آتی جب نصوصِ اسلامیہ میں امت کو دعوت و تبلیغ کا حکم نہ دیا ہوتا، حالانکہ قرآن پاک میں صراحت سے اس امر کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

تم بہترین امت ہو، وہ امت جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔ (۶۷)

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو دیگر امتوں پر گواہ بنایا ہے، بعینہ اس طرح جیسا کہ ہر نبی اپنی امت پر گواہ و شاہد ہے۔ اللہ جل شانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیا کی بابت ارشاد فرماتے ہیں:

اور جس دن ہم ہر ہر امت میں ایک گواہ جو ان ہی میں سے ہوگا ان کے مقابلے میں قائم کریں گے اور ان لوگوں کے مقابلے میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے۔ اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور مسلمانوں کے لئے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوش خبری سنانے والا ہے۔ (۶۸)

اور خصوصیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے:

اور اس طرح ہم نے تمہیں ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں کے مقابلے پر گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں (۶۹)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جا بجا دعوت و تبلیغ کے عمل کی جانب رغبت دلائی ہے:

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں (۷۰)

نص صریح سے دعوت و تبلیغ کا مکلف بناتے ہوئے فرمایا:

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ

پورے کامیاب ہوں گے۔(۷۱)

دعوت وتبلیغ کے اوامر عام ہیں، ان کی عمومیت ہر فرد مسلم کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور ہر فرد اس امر کا مکلف ہے، خواہ یہ تکلیف عینی ہو یا کفائی۔ لہذا ہر فرد پر انفرادی طور پر اور اجتماعی سطح پر اس حکم کی بجا آوری ضروری قرار دی گئی ہے۔ فرد اسلام اور اسکے عقیدے کے بارے میں جتنا واقف ہے اس کی دعوت دے اور اسے پھیلانے کی کوششیں کرے، اور اجتماعی سطح پر بھی اس عمل میں شرکت سے پہلو تہی نہ کرے اور اپنی ذمہ داریوں کا بھرپور ادراک کرے۔ دعوت وتبلیغ کے عمل کو مؤثر و ہمہ جہت بنانے کے لئے جو وسائل اور صلاحیتیں درکار ہیں، انہیں مہیا کیا جائے۔ اگر ان وسائل یا ایسے افراد میں کمی واقع ہو جائے تو امت پر بحیثیت امت واجب ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کرے جو اس عمل کی ذمہ داری لیں اور انہیں تمام ضروری وسائل مہیا کئے جائیں، ان افراد کی صفات مذکورہ آیت میں بیان کی گئی ہے:

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے میں خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ
میں دلیل پر قائم ہوں، میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی۔(۷۲)

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے انس وجن کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ یہ میرا راستہ، علامت، مسلک ومشرب ہے، یہ راستہ توحید ورسالت کی گواہی دینا اور ان پر صادر کرنا ہے۔ توحید ورسالت کی یہ دعوت علی وجہ البصیرت، یقین و اذعان اور برہان عقلی وشرعی کے ساتھ متصف ہے۔ یہ اوصاف، یقین واعتماد کی یہ کیفیت اس عمل کی باگ دور سنبھالنے والوں کے لئے بھی از حد ضروری ہے۔

ذخیرۂ احادیث میں بھی اس عمل کی اہمیت، افادیت اور ضرورت پر کثرت سے زور دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی دعوت وتبلیغ کی اہمیت واضح فرمائی ہے۔ اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی جھلک قرا صحابہ کے ان دعوتی وفود کی تفصیلات میں دیکھی جاسکتی ہے جنہیں مختلف اوقات میں اردگرد کے قبائل اور انکی ذیلی شاخوں کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سربراہان مملکت سے خط وکتابت اور مراسلت صحابہ کرام کو ایک نئے انداز دعوت سے روشناس کرنے کی کوشش تھی۔ قائدین لشکر اور سرایا کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیا کرتے تھے کہ وہ سب سے پہلے اسلام کی دعوت دیں، بعد ازاں جہاد وقتال کریں۔ معاذ بن جبلؓ کو یمن کی جانب روانہ کرتے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر احکام کے علاوہ یہ نصیحت فرمائی:

تم عن قریب اہل کتاب کی کسی قوم کے پاس جاؤ گے، تو پہلے انہیں توحید و رسالت کی گواہی کی دعوت دو، اگر وہ اسے قبول کرلیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہر دن ورات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اسے بھی مان لیں تو انہیں آگاہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لے کے ان کے غریبوں اور فقرا کو دیا جائے گا۔ (۷۳)

وفود اور جماعت کے علاوہ فرداً فرداً بھی صحابہ کرام کو بغرض تبلیغ دوسرے علاقوں میں بھیجا گیا۔ مقرئ المدینہ مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ روانہ کیا گیا، تاکہ وہ اہل مدینہ کو اسلام وقرآن کی تعلیم دیں اور مسائل واحکام سے آگاہ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً بھی دعوت وتبلیغ دین کی جانب رغبت دلائی اور حکم دیا کہ ابلاغ و دعوت کا یہ عمل یوں ہی جاری وساری رہنا چاہئے، زید بن ثابتؓ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نضر الله امرأ سمع مقالتي فبلغها، فرب حامل فقه الى غير فقيه، و رب حامل فقه الى من هو أفقه منه.

دعوت وتبلیغ کے دوران امام المبلغین صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی وجاہت اور شخصی کمالات کے باوجود جس طرح کی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اسی طرح کی مشکلات اور رکاوٹیں مستقبل میں بھی متوقع تھیں۔ چنانچہ جہاد وقتال کی مشروعیت اسی نقطۂ نظر کی بنا پر عمل میں آئی ہے کہ دعوت وتبلیغ کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کا اس کے ذریعے قلع قمع کیا جائے، اور اس ڈھال کی حفاظت میں تبلیغ دین کے فریضے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔

یہ ممکن نہیں کہ دعوت وتبلیغ کا امر ہو، مگر بدخواہوں اور کینہ پروروں سے اس کی حفاظت کا حکم نہ ہو! چنانچہ جن دلائل وشواہد سے دعوت وتبلیغ کی فرضیت وابدیت ثابت ہوتی ہے انہی کی رو سے جہاد وقتال کی مشروعیت کا بھی ثبوت ہوگا۔

جہاد کی جو ان گاہ وسیع ہونے کی بنا پر اس کی اقسام بھی متعدد ہیں۔ ہماری مراد جہاد بالنفس ہے، جس کو قتال سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، جہاد بالمال وغیرہ اس کے تابع اور اس کے ضمن میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ جہاد بالنفس اور قتال کی جانب لفظ ''جہاد'' سے ذہن سبقت کرتا، اور اسی معنی کو سمجھتا ہے، اور یہی حقیقی معنی ہونے کی علامت ہے۔

قرآن اور احادیث کے ذخیرے میں جہاد سے متعلق، اس کی حساسیت اور ضرورت کے پیش نظر تمام معلومات، احکامات بہم پہنچادیئے گئے ہیں، جن سے اس فریضے اور شعبے کی اہمیت وعظمت مترشح ہے۔ اسلام کے دیگر فرائض کی مانند جہاد کی طرف بھی بلاتخصیص رغبت دلائی گئی ہے اور فوز عظیم وفتح مبین کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

''اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتاؤں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے بچالے، تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے، اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک اور بھی ہے کہ تم اس کو پسند کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی۔ اور آپ مؤمنین کو بشارت دے دیجئے۔(۷۴)

اس برعکس فریضۂ جہاد سے جی چرانے اور راحت وتعیش کی طرف مائل ہونے والوں کے ساتھ تنبیہ وتوبیخ اور سرزنش کا رویہ اپنایا گیا ہے، ارشاد ہے:

اے ایمان والو! لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کو لگ جاتے ہو، کیا تم نے آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پر قناعت کرلی، سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو کچھ بھی نہیں، بہت قلیل ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم سخت سزا دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کردے گا اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔(۷۵)

جہاد کا بنیادی واساسی مقصد اعلائے کلمۃ اللہ، اسلام کی نشر واشاعت اور عالم شہود کو اللہ تعالیٰ کے قانون وشریعت پر گامزن کرنا ہے۔ دفاع وطن اور مزاحمت ہی اس سے مقصود نہیں اور نہ مالِ غنیمت و دیگر مالی ومادی منفعتیں اس سے متصور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کھلے الفاظ میں مشروعیتِ جہاد کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو

جائے۔ پھر اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں۔ اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے۔ وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔ (۷۶)

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب یہ کفار کفریہ حرکتوں اور ریشہ دوانیوں سے باز آجائیں تو مغفرت کے مستحق قرار پائیں گے، اگر معاندانہ روش ترک نہ کریں تو ان کے ساتھ پہلوں کے طریقے پر عمل کیا جائیگا اور اگر ان حرکتوں پر اصرار کریں تو قتال کے ذریعے ان کی کج روی کی اصلاح کی جائے۔

کفار کے ساتھ قتال و جہاد کا سبب وعلت ''فتنہ'' قرار پایا تو جب تک روئے زمین پر کفار کا تسلط اور حکمرانی برقرار رہے گی، یہ ''فتنہ'' برہنہ شمشیر کی مانند امنِ عالم کے سر پر لٹکتا رہے گا۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ کفار تمام امکانی وسائل بروئے کار لاکر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کے فتنوں کو جنم دے رہے ہیں، جن کی بنیاد ظلم واستحصال پر استوار ہے اور جن کا مقصد اپنے استعمار کو تادیر قائم رکھنا ہے۔ ترقی پذیر ممالک کی ناگفتہ بر حالت زار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کامیابی وکامرانی کی ہر راہ مسدود کرنا ان ظالم وجابر حکمرانوں کا وطیرہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کی رو سے اسلام تا قیامت اس فریضے کی بدولت غالب و فتح یاب رہے گا، اگر دنیا کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی اس امت کے چند افراد اس فریضہ کو ادا کر رہے ہوں، اسی ضمن میں معاویہ بن قرہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ فتحیاب رہے گی، ان کی امداد واعانت سے دست کش ہونے والے انہیں ذرہ بھر نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں کہ قیامت آجائے۔ (۷۷)

یزید بن اصم کہتے ہیں، میں نے معاویہ بن سفیانؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> اللہ جل شانہ جس سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے تفقہ فی الدین کی دولت سے نواز دیتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی ایک جماعت ہمیشہ حق کی خاطر برسرپیکار رہے گی اور اپنے مخالفین ومعاندین پر غالب ہوگی۔ (۷۸)

مذکورہ احادیث سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ فریضۂ جہاد میں نہ نسخ کا احتمال ہے نہ کسی قسم کی

کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے۔اس میں افراط وتفریط کا شکار وہی ہوتے ہیں جن کے پیش نظر شخصی مفاد یا اسلام کو کمزور کرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔

جہاد بالنفس اور جہاد بالمال پر ترغیب دلانے کے لئے بڑی مقدار میں آیات واحادیث موجود ہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ مسلمانوں کو جہاد کا ہمیشہ کے لئے مکلف ومامور بنایا گیا، چنانچہ اطلاق وعدم تخصیص کے باعث اس امر کا ثبوت ان احادیث سے بھی ہوتا ہے جن میں جہاد کی اہمیت، فضائل اور اس کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

ذاتِ محمد ﷺ اور وصف ختم نبوت میں تطبیق:

درحقیقت سیرت نبویہ کا ہر باب آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر شاہد عدل ہے۔اس دعویٰ کی سچائی کا ادراک انہی کو ہوسکتا ہے جو نبوت کے معنی سے واقف اور انبیائے سابقین کی سیرتوں کا مطالعہ کرچکے ہیں۔ اس مقالے میں سیرت نبویہ کا استیعاب مقصود نہیں، تاہم یہاں سیرت نبویہ کی چند جھلکیاں اور اقتباسات نذرِ قارئین کئے جائیں گے، ان سے مقصود اس امر کا اظہار ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ خاتم النبیین اپنے معنی ختم نبوت پر کسی طرح منطبق ہے۔اس انطباق کی بعض علامتیں مادی ہیں، اور بعض معنوی۔ معنوی وغیر محسوس علامات ونقوش میں آپ کے اسما گرامی شمار کئے جاتے ہیں،

امام مسلمؒ زہریؒ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے جبیر بن مطعمؓ کو اپنے والد سے روایت کرتے سنا، آپ صلی علیہ وسلم نے فرمایا:

> میں محمد واحمد ہوں، میں ''ماحی'' ہوں، جس کے ذریعے کفر مٹایا جائے گا، میں ''حاشر'' ہوں جس کے عقب میں لوگوں کا حشر ہوگا۔ میں ''عاقب'' ہوں، جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

ابوموسیٰ اشعریؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے نام ذکر فرماتے رہتے تھے، چنانچہ کہتے:
> میں محمد، احمد، مقفی، حاشر، نبی الرحمہ اور نبی التوبہ ہوں۔(۷۹)

اسی طرح بعض مادی ومحسوس علامات ونقوش بھی آپ کی ذات میں ودیعت کئے گئے تھے، جن سے آپ کے خاتم النبیین ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔امام مسلمؒ نے جابر بن سمرہؓ سے روایت کی ہے،

فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کی پشت مبارک پر کبوتر کے انڈے جتنی مہر لگی دیکھی ہے۔

حاتم سے روایت ہے، فرماتے ہیں، میں نے سائب بن یزید کو کہتے سنا کہ

> ایک مرتبہ میری خالہ مجھے رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، جب آپ کے حضور باریاب ہوئیں تو کہا: میرے بھانجے کے سر میں درد رہتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ نے میرا سر چھوا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا میں نے وضو سے باقی ماندہ پانی پی لیا پھر میں آپ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی جو مثل زُرّ الحجلۃ تھی۔

اسی مفہوم کی روایت عاصم بن عبداللہؓ سے بھی مروی ہے۔

علاوہ ازیں آپ کے دیگر معجزات مثلاً انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹنا شق قمر، پتھروں، نباتات وحیوانات کا کلام کرنا وغیرہ، جن کا ثبوت صحیح احادیث سے ہوتا ہے، کے سرسری جائزہ سے علم ہوتا ہے کہ آپ جامع المعجزات ہیں، آپ کے معجزات سابقہ انبیا کے معجزات کی آخری اور حتمی شکل ہیں۔ (۸۰)

ختم نبوت پر اس سے بڑھ کر دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کو تمام مخلوقات کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔ جنات بھی آپ کی نبوت سے فیض یاب ہوئے، اور آپ کی طرف کھنچے چلے آئے، عالم جن میں تبلیغ کے آغاز کی کیفیت قرآن نے یوں بیان فرمائی:

> اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے، غرض جب وہ لوگ قرآن کے پاس آ پہنچے تو کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے لئے واپس گئے۔ کہنے لگے کہ اے بھائیو! ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! تم اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین میں ہرا نہیں سکتا اور خدا کے سوا اور کوئی اس کا حامی بھی نہ ہوگا، ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ (۸۱)

سورۂ رحمٰن میں انس وجن کے لئے ایک صیغہ استعمال کیا گیا۔ اور قرآن میں انسانوں کی مانند جنات کے حساب وکتاب کے عمل سے گذرنے کا بھی ذکر ملتا ہے، (۸۲)

آپ کی نبوت کے عام ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کے باعثِ رحمت ہونے کی انسانوں کے ساتھ تخصیص نہیں فرمائی، بلکہ ''عالمین'' کہہ کر تمام مخلوقات کو آپ کی آغوشِ رحمت میں سمو دیا۔

اور بے شک آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ (۸۳)

حافظ ابن کثیرؒ ''رحمت'' کی تفسیر کے ذیل میں ابو بردہؓ کی اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

> اللہ جل شانہ نے میری امت کے لئے دو امانیں مجھ پر نازل فرمائیں۔ ایک: (ارشاد ربانی کہ) جب تک آپ ان میں ہوں گے انہیں اللہ مبتلائے عذاب نہیں فرمائے گا اور دوسرے یہ کہ جب تک گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں گے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ جب میں اٹھالیا جاؤں گا تو ان میں قیامت تک کے لئے استغفار کا عمل چھوڑے جاؤں گا۔ (جس کے باعث انہیں میرے نہ ہونے باوجود عذاب نہیں ہوگا) (۸۴)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہی کا پرتو ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لطف واحسان موسلا دھار بارش کی طرف برس رہا ہے، اور قیامت تک رحمت کی اسی کیفیت میں ہر امتی بھیگتا رہے گا۔

آپ کی ذات کے فیض سے انبیا سابقین بھی بہرہ ور ہوئے، اسرا ومعراج کی رات آپ کو آسمانوں پر بلایا گیا اور

> پھر وہ نزدیک آیا، پھر اور نزدیک آیا سو دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمانا تھی، قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی، تو کیا ان سے اَن دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو، اور انہوں نے اس فرشتے کو ایک اور مرتبہ بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے قریب جنت الماویٰ ہے، جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیز لپٹ رہی تھیں، نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی، انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔ (۸۵)

اللہ جل شانہ نے آپ کا ایک خاص وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں (۸۶)

اس آیت کی تفسیر آپ کی اس حدیث سے ہوتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ ''میری بعثت کی وجہ یہی ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں''۔ بعض روایات میں ''حسن الاخلاق'' کے اور بعض میں ''صالح الاعمال'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ غایت سب کی ایک ہی ہے۔

تکمیلِ اخلاق ختم نبوت ہی کی شاخ ہے ''اسلئے کہ اخلاق کی تکمیل کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں، یہی وہ وصف ہے جسے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یوں بیان فرمایا ہے، سعید بن ہشام کی روایت ہے:

میں نے کہا اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بابت کچھ بتایئے! فرمایا: آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا: ضرور پڑھا، فرمایا: قرآن ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے۔

اس رسالت کا خاتمہ الرسالات اور اس نبی کا خاتم النبیین ہونا۔ اس امر کا مقتضی تھا کہ کینہ پروروں اور معاندین سے آپ کی حفاظت وصیانت کا مکمل ومحفوظ بندوبست کیا جائے، تاکہ دعوت وتبلیغ کا عمل خود حفاظتی کی تدابیر میں مشغول ہوکر تعطل کا شکار نہ ہوجائے۔ برخلاف انبیائے سابقین کے، ان کی قومیں جس طرح انہیں جھٹلاتی تھیں۔ ان کے قتل سے بھی دریغ نہ کرتی تھیں، بنی اسرائیل کی بابت ارشاد ہے:

ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان کے پاس بہت سے پیغمبر بھیجے، جب کبھی ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم آیا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا۔ سو بعضوں کو جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ (۸۷)

چنانچہ اس پس منظر کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا بندوبست فرمایا:

اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے، اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ (۸۸)

اس آیت کے نزول سے قبل صحابہ کرامؓ باری باری آپ کی حفاظت اور نگرانی کا فریضہ انجام دیتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام پہرے اٹھا دیئے اور خود کو مسبب الاسباب کی

نگہداشت میں دے دیا۔ مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے اپنی قدرت قاہرہ سے ایسے اسباب بہم پہنچائے، جن کے ذریعے آپ ﷺ سرداران مکہ کے حسد، بغض عناد اور عداوت سے محفوظ و مامون رہے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں آپ کے چچا ابو طالب، جن کا شمار عرب کے مقبول رہنماؤں میں ہوتا تھا، کے دل میں آپ کی طبعی محبت وعظمت پیدا فرما کر آپ کی حفاظت کا سامان کیا۔ بعدازاں انصارِ مدینہ کو آپ کی حفاظت کے لئے منتخب فرمایا، اور بلاشبہ انہوں نے انتخاب کا حق ادا کر دیا اور کسی بدخواہ کو آپ کے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ علاوہ ازیں جب کبھی کسی مشرک یا منافق کی جانب سے ایذا رسائی کی کوشش تھی، اللہ جل شانہ نے اپنی قدرت سے اس کا قلع قمع کیا، جیسا کہ ایک مرتبہ یہود نے جادوٹونے کے ذریعے آپ پر سحر پھونک دیا تو اللہ تعالیٰ نے معوذتین اتار کر اس کا سدّ باب فرمایا۔ خیبر کے یہودیوں نے دوران دعوت زہر دینے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس بھی آپ کی حفاظت فرمائی۔

علاوہ ازیں آپ کے خاتم النبیین ہونے کی بنا پر بہت سی ایسی چیزیں اور احکام دیئے گئے جو آپ سے قبل کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے، ان کا مقصد ختم نبوت کے امتیاز کو خوب واضح کرنا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: " أعطیت خمسالم یعطهن أحد قبلی، نصرتِ بالرعب مسیرۃ شهر، وجعلت لی الأرض مسجواد طهورا، فأیمار جل من امتیی أدرکتهُ الصلاۃ فلیصل، وأحلت لی المغانم ولم تحل لأحد قبلی، واعطیت الشفاعةَ وکان النبی یبعث اِلی قومه خاصة وبعثت اِلی الناس عامةً۔(۸۹)

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں ہوئیں، ایک مہینے کی مسافت سے دشمنوں پر رعب ودبدبے سے میری مدد کی گئی۔ زمین میرے لئے مسجد بنائی گئی، میری امت کا کوئی فرد جہاں بھی نماز کا وقت پالے وہیں نماز ادا کر دے۔ مالِ غنیمت میر لئے حلال کیا گیا، جبکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہ تھا اور مجھے شفاعت دی گئی۔ اور پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں اقوامِ عالم کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

حوالہ جات

۱۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۵۱
۲۔ سورۂ ہود، آیت ۳۱
۳۔ سورۂ مطففین، آیت ۲۶
۴۔ سورۂ محمد، آیت ۲۴
۵۔ سورۂ مطففین، آیت ۲۵
۶۔ سورۂ احزاب، آیت ۴۰
۷۔ ترمذی ۳/۳۳۸، ابن ماجہ ۲/۱۳۰۴،
۸۔ مسلم ۱/۱۸۵، بخاری ۶/۱۰۶،
۹۔ خاری ۵/۲۰۶، مسلم ۳/۴۸۱،
ابن ماجہ ۱/۹۰۹
۱۰۔ مسلم ۱/۴۸۰،
۱۱۔ بخاری ۶/۳، مسلم ۴/۱۸۷،
۱۲۔ مستدرک حاکم ۴/۴۹۱
۱۳۔ بخاری ۴/۲۲۶، مسلم ۴/۱۷۹۱
۱۴۔ بخاری ۱/۲۴۲، مسلم ۴/۲۴۰
۱۵۔ ابن ماجہ ۲/۱۳۹
۱۶۔ مسلم ۲/۱۰۱۳
۱۷۔ بخاری ۹/۲۵۱
۱۸۔ ایضاً ص ۱۲۵
۱۹۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الفصل فی الملل
والنحل لابن حزم، ۱/۱۶
۲۰۔ سورۂ قصص، آیت ۸۶
۲۱۔ (ENCYCLOPEDIA OF
RELIGION AND ETHICS,
VOL.10, P.383)
۲۲۔ سورۂ انعام، آیت ۱۲۴
۲۳۔ سورۂ آل عمران، آیت ۳۳
۲۴۔ سورۂ مریم، آیت ۳۳
۲۵۔ سورۂ آل عمران، آیت ۳۵۔۳۷
۲۶۔ مسلم ۴/۷۸۲،
۲۷۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۰
۲۸۔ ایضاً، آیت ۳۸۔۳۹
۲۹۔ سورۂ نحل، آیت ۳۶
۳۰۔ سورۂ انعام، آیت ۱۱
۳۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۹۳
۳۲۔ سورۂ انعام، آیت ۱۴۶
۳۳۔ سورۂ نساء، آیت ۱۶۰۔۱۶۱
۳۴۔ سورۂ نحل، آیت ۱۲۴
۳۵۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۶۳
۳۶۔ سورۂ آل عمران، آیت ۵۰
۳۷۔ سورۂ حجر، آیت ۷
۳۸۔ سورۂ زخرف، آیت ۵
۳۹۔ سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۳۔۱۲۴
۴۰۔ سورۂ مائدہ، آیت ۳
۴۱۔ سورۂ نساء، آیت ۱۶۵
۴۲۔ سورۂ توبہ، آیت ۳۳/ص ۹
۴۳۔ سورۂ مائدہ، آیت ۸۴
۴۴۔ سورۂ سبا، آیت ۲۸
۴۵۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۵۸
۴۶۔ سورۂ روم، آیت ۳۰
۴۷۔ بخاری ۲/۱۱۸
۴۸۔ سورۂ اسراء، آیت ۱۰۵
۴۹۔ سورۂ حدید، آیت ۹
۵۰۔ سورۂ اسراء، آیت ۸۳
۵۱۔ سورۂ نحل، آیت ۸۹
۵۲۔ سورۂ یوسف، آیت ۱۱۱
۵۳۔ سورۂ توبہ، آیت ۱۸۵
۵۴۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۶

۵۵۔ ابن ماجہ ۶۵۹
۵۶۔ ابن ماجہ ۱/ ۶۵۹
۵۷۔ سورۂ نحل، آیت ۱۰۵۔۱۰۶
۵۸۔ مسلم ۳/ ۱۴۰۸
۵۹۔ نہایۃ الاقدام/ص ۳۳۶
۶۰۔ سورۂ فصلت، آیت ۵۳
۶۱۔ سورۂ احزاب، آیت ۴۵۔۴۶
۶۲۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۵۱
۶۳۔ سورۂ نحل، آیت ۱۲۵
۶۴۔ سورۂ یونس، آیت ۵۲
۶۵۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۱
۶۶۔ مسلم ۳/ ۱۳۵۷، ابن ماجہ ۲/ ۹۵۳
۶۷۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۰
۶۸۔ سورۂ نحل، آیت ۸۹
۶۹۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۳
۷۰۔ سورۂ فصلت، آیت ۳۳
۷۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۴
۷۲۔ سورۂ یوسف، آیت ۱۰۸
۷۳۔ مسلم ۲/ ۵۰
۷۴۔ سورۂ صف، آیت ۱۰ تا ۱۳
۷۵۔ سورۂ توبہ، آیت ۳۸۔۳۹
۷۶۔ سورۂ انفال، آیت ۳۹۔۴۰
۷۷۔ ابن ماجہ ۱/ ۹۵، بخاری ۹/ ۲۵، مسلم ۳/ ۱۵۲۳
۷۸۔ مسلم ۳/ ۱۵۲۴
۷۹۔ مسلم ۴/ ۱۸۲۸۔۱۸۲۹
۸۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ج ۴/ ۲۳۲، مسلم باب معجزات النبی
۸۱۔ سورۂ احقاف، آیت ۲۰ تا ۲۲
۸۲۔ سورۂ انعام، آیت ۱۲۸ تا ۱۳۰
۸۳۔ سورۂ انبیاء، آیت ۱۷
۸۴۔ سورۂ انفال، آیت ۳۳
۸۵۔ سورۂ نجم، آیت ۸ تا ۱۸
۸۶۔ سورۂ قلم، آیت ۳
۸۷۔ سورۂ مائدہ، آیت ۷۰
۸۸۔ ایضاً، آیت ۶۷
۸۹۔ بخاری ۱/ ۹۱

اسلامی اقتصاد کے چند پوشیدہ گوشے

علامہ الاستاذ محمد طاسین رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: ۳۵۶۔ قیمت: ۱۰۰ روپے

پتہ: گوشۂ علم تحقیق، اے، ۲۰۱، کیتانہ سینٹر، بنوری ٹاؤن کراچی

فون: ۰۳۰۳۔۶۲۱۰۳۸۸